بیاضِ میراجی

مرتب:
ڈاکٹر محمد سعید

نقوش ریسرچ سینٹر
جی سی یونیورسٹی لاہور

بیاضِ میراجی

مرتب

ڈاکٹر محمد سعید

نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

کتاب: بیاضِ میراجیؒ

مرتب: ڈاکٹر محمد سعید

ترتیب و تزئین: ڈاکٹر محمد نوید

مطبع: نقوش پرنٹنگ پریس، لاہور

ناشر: نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

پہلا ایڈیشن: ۲۰۱۷ء

قیمت: ۲۰۰/۰ روپے

رابطے کے لیے: ڈاکٹر محمد سعید

انچارج نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

muhammadsaeed@gcu.edu.pk

0300 4703176

نوٹ: یہ کتاب ادارہ نقوش لاہور کے مالی تعاون سے شائع کی جا رہی ہے۔

انتساب

ڈاکٹر وحید قریشی

اور

ڈاکٹر جمیل جالبی

کے

نام

جنھوں نے میرا جی کی طرف مجھے متوجہ کیا

فہرست مندرجات

حرفِ تحقیق

اُردو تحقیق کی روایت میں پچھلے چند برسوں سے حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے۔ تحقیقی معیار کو جہاں ضعف پہنچا ہے وہاں بہتری بھی ضرور آئی ہے۔ تحقیق کے جدید وسائل نے اس کے مسائل کو بڑی حد تک کم کر دیا ہے۔ تحقیقی مزاج اور ذوق رکھنے والے، دقتِ نظر سے کام لینے والے، محنت و ریاضت پر ایمان لانے والے اور تحقیق میں حتمیت اور کاملیت کی کوشش کرنے والے محققین ان جدید ذرائع کو کام میں لاتے ہوئے تحقیق کے کئی نئے در وا کر سکتے ہیں اور اسے کئی نئی منزلوں اور منطقوں سے آشنا اور ہمکنار کر سکتے ہیں۔ تحقیق کے کلچر کو فروغ دے کر اس کی راہ کے کانٹے چننے میں ہائر ایجوکیشن کمیشن نے اب تک جس قدر اپنا مثبت کردار ادا کیا ہے شاید ہی کوئی علمی ادبی یا تعلیمی ادارہ اس سے انکار کر سکے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن تعلیمی اداروں اور ان سے وابستہ اساتذہ اور طلبا کے لیے جو سہولیات فراہم کر رہا ہے اس سے اُردو تحقیق کا مستقبل بڑا روشن دکھائی دیتا ہے۔

جامعات میں تحقیق کے کلچر کو فروغ دینے کے لیے شعبہ جاتی تحقیق کے علاوہ تحقیقی مراکز کے قیام کی بھی اشد ضرورت ہے، تاکہ جامعات کے اساتذہ اور طلبا، ڈگری کے پھیر سے نکل کر تحقیقی سرگرمیوں میں حِصّہ لے سکیں۔ سنجیدہ تحقیق کاروں کے اصل جوہر ایسے تحقیقی مراکز ہی کے تحت کھل سکیں گے جہاں انھیں ماہرین تحقیق کی رہنمائی میں آزادی سے دادِ تحقیق دینے کا موقع ملے گا۔ مختلف شعبوں میں ڈگری کے لیے داخلہ لینے والے طلبا و طالبات جب نصابی اور زمانی حدود و قیود سے نکل کر ڈگری یافتہ ہو جاتے ہیں تو ملازمت کی تلاش یا ملازمت مل جانے کی وجہ سے عملی تحقیق سے ان کی وابستگی تقریباً ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایسے طلبا و طالبات کی تحقیق سے دلچسپی برقرار رکھنے اور بڑھانے کے لیے اور اُن کے **تحقیقی عمل کو تسلسل دینے کے لیے جامعات میں موجود تحقیقی مراکز بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔**

سود و زیاں سے بے نیاز ایسے طلبا مل جاتے ہیں جو تحقیق کے فن کو سیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے تحقیقی ذوق کی آبیاری کرنے اور اسے مہمیز دینے کے لیے انھیں ایسے تحقیقی مراکز سے وابستہ کر کے کئی ایک تحقیقی منصوبوں پر کام کیا جا سکتا ہے جو جامعاتی تحقیق کے وقار اور معیار میں اضافے کا باعث ہو سکتا ہے۔

جامعات میں تحقیقی مراکز کی اس اہمیت کے پیشِ نظر راقم نے جی سی یونیورسٹی لاہور کے سابق قائم مقام وائس چانسلر (موجودہ ڈائریکٹر ریسرچ جی سی یونیورسٹی لاہور) پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرام صاحب کی خدمت میں ایک تحریری تجویز پیش کی تھی کہ جی سی یونیورسٹی میں زبان و ادب کے شعبوں کے لیے ایک تحقیقی مرکز قائم کیا جائے، جس کی انھوں نے خوش دلی سے منظوری دے دی تھی۔ میں نے ادارہ نقوش کے جی سی یونیورسٹی کو عطیہ کردہ بیش بہا تحقیقی نوادر کی رعایت سے اس کا نام نقوش ریسرچ سینٹر تجویز کیا تھا۔ ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء کو میں نے تجویز پیش کی، اگلے ایک سال تک پوسٹ گریجوایٹ لائبریری میں نقوش ریسرچ سینٹر کا قیام عمل میں آ گیا اور ۲۵۔ مئی ۲۰۱۲ء کو اس کا افتتاح ہوا جس میں نامور علمی ادبی شخصیات نے شرکت کی اور اس ریسرچ سینٹر کا خیر مقدم کیا۔ پچھلے سال نومبر میں انچارج پوسٹ گریجوایٹ لائبریری محمد نعیم صاحب کی تجویز پر وائس چانسلر جی سی یونیورسٹی لاہور پروفیسر ڈاکٹر حسن امیر شاہ صاحب اور رجسٹرار جی سی یونیورسٹی لاہور صبور احمد خاں صاحب نے نقوش ریسرچ سینٹر کو فعاّل کرنے اور اس کے تحت تحقیقی کام کرنے اور کروانے کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔

نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی لاہور میں زبان و ادب کے شعبوں کے لیے پہلا ریسرچ سینٹر ہے۔ اس میں ذخیرۂ نقوش کے تحت سینکڑوں ادیبوں اور شاعروں کی ہزاروں قلمی تحریریں موجود اور محفوظ ہیں اور ادارہ نقوش سے ایسے مزید مسودات کی وصولی کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی اور میرزا ادیب کے نام آنے والے اصل خطوط بھی یہاں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ استاذ گرامی ڈاکٹر سیدّ معین الرحمن کی نادر لائبریری بھی نقوش ریسرچ سینٹر کے لیے حاصل کی جا چکی ہے اور اُن کے پیش بہا ذخیرۂ نوادرات کا حصول ابھی باقی ہے۔ استاذِ گرامی ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے بھی اپنے نام آنے والے ادیبوں کے اصل خطوط اور اپنی بعض کتابوں کے مسودات نقوش ریسرچ سینٹر کو عطیہ کر دیے ہیں۔ استاد محترم ممتاز پروفیسر ڈاکٹر سعادت سعید صاحب، استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد احسان الحق صاحب اور ممتاز شاعر لطیف ساحل صاحب نے اپنے اپنے ذخیرے کے ایسے نوادرات سے نقوش ریسرچ سینٹر کو نوازنے کا وعدہ کیا ہے۔

نقوش ریسرچ سینٹر میں نوادرات کے ایسے ذخیروں کی جمع آوری اور اُن کے بارے میں تحقیق اور ان کی

ترتیب واشاعت میری ترجیحات میں سے ہے۔ ہر زبان وادب کی علمی ادبی شخصیات سے التماس ہے کہ وہ اس کارخیر میں حصّہ ڈالیں اور نقوش ریسرچ سینٹر کو اپنے ذخیرے کے نوادرات سے نوازیں۔محترم ڈاکٹر محمود الحسن بزمی صاحب، محترمہ ڈاکٹر سیّدہ مصباح رضوی صاحبہ، محترم ذیشان وکیل صاحب اور ڈاکٹر محمد نوید صاحب نقوش ریسرچ سینٹر کے تحت بعض تحقیقی منصوبوں میں مصروف ہیں۔ جی سی یونیورسٹی لاہور کے زبان وادب کے شعبوں سے وابستہ دیگر احباب کو بھی ایسے تحقیقی منصوبوں میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تاکہ یونیورسٹی میں تحقیق کے کلچر کو فروغ ملے۔

زیرِنظر کتاب بیاضِ میراجی نقوش ریسرچ سینٹر جی سی یونیورسٹی لاہور کی طرف سے پہلی تحقیقی پیش کش ہے۔ یہ میراجی ایک گم شدہ قلمی بیاض کی بازیافت اوراس کی رنگین عکسی اشاعت ہے۔ بیاضِ میراجی کی اس عکسی اشاعت کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ ترتیب کلام اور ہیت وساخت کے لحاظ سے اپنی اصل صورت میں محفوظ ہو جائے اور اصل کی بعینیہٖ نقل تک، زیادہ سے زیادہ اہلِ علم کی رسائی آسان ہوجائے۔ کیونکہ اس کی بعض نظمیں زمانی ترتیب سے نہیں ہیں اور بعض پر تاریخ تحریر موجود نہیں اور ایک نظم بیاض میں الٹی طرف سے جلد میں آئی ہے۔اس طرح تحقیق وتدوین کے بعد اس کی عکسی اشاعت میں بھی ترتیب کچھ بدل جائے گی۔اس بیاض کی تدوین، کمپوز شدہ متن، حواشی، اختلاف نسخ اور دیگر تدوینی لوازم کا حامل ایڈیشن بعد میں شائع کیا جائے گا۔اس کے تعارف اوراہمیت پر بھی اگلے ایڈیشن میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔البتہ زیرِنظر ایڈیشن کے شروع میں بیاضِ میراجی کی گم شدگی اور بازیافت کی روداد بھی بیان کردی ہے اوراس کے تعارف اوراہمیت کو بھی اختصار کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے

۔

میراجی کی یہ اصل قلمی بیاض نقوش ریسرچ سینٹر جی سی یونیورسٹی لاہور کو عطیہ کی جارہی ہے۔اس سے پہلے ن۔م راشد کی ایک اصل بیاض بھی اُن کی اس مادرِعلمی میں محفوظ ہے اس طرح جی سی یونیورسٹی کو یہ اعزاز اور افتخار حاصل ہے کہ بیسویں صدی کے اہم اُردو شعرا کی یہی دو معلوم بیاضیں ہیں اور وہ دونوں یہاں موجود ہیں۔ جی سی یونیورسٹی کا دوسرا اعزاز یہ ہے کہ بیسویں صدی کا کوئی شاعر ادیب ایسا نہیں جس کی قلمی تحریریں اور تصویریں نقوش ریسرچ سینٹر کی زینت نہ ہوں اوران دونوں اعزازات میں کوئی دوسرا تعلیمی ادارہ جی سی یونیورسٹی کا ثانی نہیں ہے۔بیسویں صدی کے ایسے علمی ادبی اور قلمی نوادرات کا عشرِعشیر بھی کسی دوسری یونیورسٹی میں موجود نہیں ہے۔

وائس چانسلر جی سی یونیورسٹی لاہور محترم ڈاکٹر حسن امیر شاہ صاحب، رجسٹرار جی سی یونیورسٹی محترم صبور احمد خاں

صاحب، ڈائریکٹر ریسرچ جی سی یونیورسٹی محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرام صاحب اور سینئر لائبریرین محترم محمد نعیم صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے نقوش ریسرچ سینٹر کے وسیع و وقیع ذخیرۂ نوادرات کو سنبھالنے اور اس کے بارے میں تحقیق کرنے اور کروانے کے لیے مجھ پر اعتماد کیا اور یہ ذمے داری مجھے سونپی۔ اپنے ادارے کا پیش قیمت ذخیرۂ نوادرات جی سی یونیورسٹی لاہور کو عطیہ کرنے والے ادارہ نقوش کے سربراہ محترم جاوید طفیل صاحب نے اپنے ادارے کے نوادرات کو سنبھال کر رکھا اور اب اسکالرز کے افادہ عام کے لیے وقف کر دیا ہے۔ انھوں نے نقوش ریسرچ سینٹر جی سی یونیورسٹی لاہور کے تحت ہونے والی تحقیق کو شائع کرنے کی پیش کش بھی کی ہے۔ میں ان کی نوازشات کے لیے بھی سراپا سپاس ہوں۔ نقوش ریسرچ سینٹر کو اپنے ذخیرۂ نوادرات سے نوازنے اور نوازنے کا وعدہ کرنے والے دیگر اساتذہ اور احباب کا بھی شکر گزار ہوں۔ نقوش ریسرچ سینٹر کے تحت تحقیق کرنے والے اور تحقیق کرنے کی خواہش رکھنے والے احباب کا بھی شکر گزار ہوں کہ ہمارا بنیادی مقصد تحقیق کے کلچر کو فروغ دینا ہے۔

ڈاکٹر محمد سعید
شعبۂ اُردو
جی سی یونیورسٹی لاہور

بیاضِ میرا جی کی بازیافت

اُردو شاعری کی تاریخ میں بیسویں صدی جدید نظم کی صدی ہے۔اس صدی نے اُردو شاعری کو میرا جی دیا اور میرا جی نے اس صدی کو جدید نظم دی۔ جدید نظم کی جو تعریف مختلف نقادوں نے بیان کی ہے اس کی انتہائی صورت میرا جی کی نظم ہے۔ضروری نہیں کہ ہر آزاد نظم جدید بھی ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ میرا جی کی پابند نظمیں بھی جدید نظم کہلانے کی مستحق ہیں۔اس طرح میرا جی وہ شاعر ہے جس کی نظمیں جدید نظم کی تعریف متعین کرنے کے لیے ایک معیار ٹھہرتی ہیں۔ ہیئت، اسلوب، آہنگ اور ابہام جیسے فنی قرینوں سے جدید نظم کا نقشہ مرتب کرنے والے میرا جی بیشتر شاعروں ادیبوں کی طرح طبعاً لا پروا اور لا اُبالی تھے۔اُن کی لا اُبالی طبیعت نے اُن کی زندگی کے توازن کو بگاڑا اور معمولات زندگی کے شیرازے کو بکھیرا لیکن ان کے خلاّق ذہن نے اُن کی شعری تنظیم پر کوئی حرف نہیں آنے دیا۔ان کی بعض فطری عادات نے ان کی شخصیت کو ایک دوسرے رُخ پر تعمیر کیا جو ابنارملٹی (Abnormality) کی حدوں کو پہنچتی ہے مگر شاعری سے محبت انھوں نے بڑے فطری انداز سے کی ۔ میرا جی نے بڑی باقاعدگی سے بے قاعدہ زندگی گزاری لیکن بڑے فطری اور نازمل انداز سے اپنی تخلیقات سے اولاد کی طرح محبت کی جس طرح ہر تخلیق کار اپنی تخلیق سے کرتا ہے۔

میرا جی کے دوستوں نے ان کی متعدد تصویریں قلم بند کی ہیں لیکن اب تک اُن کی کوئی ایسی تصویر نہیں کھینچی گئی جس سے یہ پتا چل سکے کہ وہ اپنی نظموں کا نک سُک سنوارنے کے لیے کتنی محنت کرتے تھے۔کتنی بار نظرِ ثانی کرتے تھے اور اپنے کلام میں انھوں نے کس قدر حذف و اضافے اور ترامیم کی ہیں۔اگر یہ تصویر مکمل ہو سکے تو اُن کے ذہنی

ارتقا کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ کسی شاعر کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے اُس کی قلمی تحریریں، اس کی تخلیقات کا زمانی تعین اور مطبوعات کا متنی تقابل بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ میراجی کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے بنیادی ماخذ کی حامل اُن کی ایک گم شدہ قلمی بیاض ہے جو مکمل طور پر اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں نظموں کی تاریخ تحریر کے اندراج کا اہتمام بھی ہے اور ان نظموں پر حذف و اضافے اور ترامیم کا عمل بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہ میراجی کی وہ گم شدہ قلمی بیاض ہے جو اُن کے کسی چھوٹے بھائی نے ردّی سمجھ کر بیچ دی تھی۔ میراجی کے دوستوں یا نقادوں نے اب تک اُن کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اُن میں سے چند ایک نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ میراجی کا کچھ علمی و قلمی سرمایہ اُن کے ایک چھوٹے بھائی نے ردّی میں بیچ دیا تھا۔ اس بات کا تعین ابھی تک نہیں ہوا کہ کس بھائی سے یہ غلطی سرزد ہوئی اور اس سے میراجی کا کس قدر، کس طرح کا اور کون سا سرمایہ ضائع ہوا۔ اس سلسلے کے چند بیانات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ میراجی کے ایک معتقد دوست اور ہم دم دیرینہ اخلاق احمد دہلوی میراجی کے رونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۔۔۔اور کبھی کبھی اپنے اُس بھائی کی نادانی پر (روتے) جس نے ان کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام ردّی کے حسابوں بیچ دیا''۔

ا ے

اخلاق احمد دہلوی آگے چل کر اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''میراجی کا وہ غیر مطبوعہ کلام جو میرے پاس سے دلّی میں غدر ۴۷ء کی بھینٹ چڑھا اور جس کا کفارہ میں تا زیست ادا نہیں کر سکتا؛ میرے حساب سے اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا جو ان کے بھائی نے لاہور کے کسی دوکاندار کے ہاتھ ردّی میں بیچا، کیونکہ جو مسودات میراجی کے بھائی کے ہاتھ پڑے وہ زیادہ تر اُن کی غیر مطبوعہ نظموں پر مشتمل تھے لیکن میرے پاس اُن کی نظم اور نثر کے ٹکڑے تھے۔ کون جانے کس بھائی نے کس ''بھائی'' کے ہاتھ کس بھاؤ یہ خزانہ لٹا دیا''۔ ۲ ے

اخلاق احمد دہلوی نے ایک تو لاہور میں میراجی کے کسی بھائی کے ہاتھوں اُن کی غیر مطبوعہ نظموں کے ردّی کے بھاؤ بک جانے کا ذکر کیا دوسرا خود اُن کے ہاتھوں میراجی کی نظم و نثر کے ٹکڑے ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کی نذر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مذکورہ بیانات سے نہ اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ کون سے بھائی سے کب یہ غلطی سرزد ہوئی اور نہ یہ تعین ہوتا ہے کہ خود اُن کے ہاتھوں کتنا علمی سرمایہ ضائع ہوا اور وہ کس نوعیت کا تھا۔ ''نظم و نثر کے ٹکڑے'' کو غیر مطبوعہ نظموں پر ترجیح دینا اور اُن کی نسبت ''زیادہ قیمتی'' کہنا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اخلاق احمد دہلوی مزید لکھتے ہیں:

''دس فروری ۱۹۴۸ء کو میں لاہور پہنچا اور تادم تحریر لاہور میں اس کوشش میں ہوں کہ کس طرح اُس ردّی کا کچھ کھوج لگ سکے

جس کے لیے میرا جی اکثر روئے ہیں اور میری یہ کوشش بالکل رایگاں نہیں گئی۔ آخر ایک پُرزہ مزنگ کے ایک دوکاندار کے ہاں سے مجھے مل ہی گیا۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ یہ کاغذ کا پُرزہ اس ڈھائی تین برس کی محنت کی کچھ قیمت نہیں ہے''۔ ۳؎

''تقریباً ایک فٹ لمبے اور چھ انچ چوڑے'' کاغذ کے اس پُرزے سے اخلاق احمد دہلوی نے جو پیراگراف نقل کیا ہے وہ میرا سین کے نام میرا جی کا خط معلوم ہوتا ہے۔ اس سے میرا جی کے روتے رہنے کا اصل سبب بھی معلوم ہو جاتا ہے ورنہ ان کے دوست یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ دلّی کے زمانے میں وہ اپنے مسودات سرِ راہ بھی اچھال دیا کرتے تھے۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے بھائی کے ہاتھوں ردّی میں بکنے والے سرمایے میں میرا جی کی نظموں کے علاوہ میرا سین کے سلسلے کی بھی خاصی تحریریں ہو سکتی ہیں۔ اخلاق احمد دہلوی نے اپنے مضمون کے آخر میں اس واقعے کو بقول میرا جی کہا ہے۔ میرا جی کی کسی تحریر میں اس کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا، ہو سکتا ہے انھوں نے اپنے بعض دوستوں کو زبانی اس واقعے کی کچھ تفصیل بتائی ہو۔

شاہد احمد دہلوی میرا جی کی گم شدہ بیاضوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میرا جی کے چھوٹے بھائی نے:

''میرا جی کی تمام نظمیں چند پیسوں میں بیچ ڈالی تھیں۔ ہوا یہ کہ انھوں نے سارے گھر کی ردّی کسی پھیری والے کے ہاتھ دو تین آنے سیر کے حساب بیچی اور اس میں میرا جی کی وہ دو ضخیم کاپیاں بھی تول دیں جن میں ان کی نظمیں لکھی ہوئی تھیں۔ میرا جی نے لاہور کے تمام ردّی بیچنے والے چھان ڈالے تھے مگر وہ مجموعے نہ ملنے تھے نہ ملے۔ اس کا انہیں بے حد رنج پہنچا، اتنا کہ انھوں نے اپنا گھر اور اپنے عزیزوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا''۔ ۴؎

میرا جی نے گھر اور عزیزوں کو اس وجہ سے تو نہ چھوڑا تھا البتہ اس مضمون سے یہ معلومات ملتی ہیں کہ میرا جی کی نظموں کی دو ضخیم بیاضیں تھیں۔ جو ان کے بھائی کے ہاتھوں ردّی کے بھاؤ بکیں۔ دلّی کے زمانہ قیام میں میرا جی کا شاہد احمد دہلوی سے بھی معاملہ رہا۔ انھوں نے ان کی تین کتابیں شائع کی تھیں اور اس نسبت سے قربت بھی رہے تو لازماً میرا جی نے خود انھیں یہ واقعہ بتایا ہوگا۔

ڈاکٹر رشید امجد نے میرا جی کی شخصیت اور فن کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے۔ میرا جی کے کلام کے ردّی کے بھاؤ بکنے کے واقعے کی انھوں نے بھی کچھ زیادہ تفصیل نہیں بیان کی البتہ حوالہ دیے بغیر ایک جگہ ان کی کتاب میں واوین میں یہ عبارت نظر آتی ہے:

''وہ اپنی تخلیقات سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے اور جب ایک بار ان کی بیاض ان کے بھائی نے ردّی میں بیچ دی تو اس شام میرا جی نے کھانا نہ کھایا اور دو تین دن تک حیران و سرگراں ردّی فروشوں کی دکانوں پر وہ کاپیاں تلاش کرتے رہے''۔ ۵؎

اب ایک گھر کی گواہی بھی ملاحظہ کیجیے۔ میرا جی کے بھتیجے راشد ڈار لکھتے ہیں:

''ایک دن میرا جی صبح صبح بہت خوش خوش اپنی والدہ کے پاس گئے، ناشتہ مانگا والدہ نے بٹھایا___ میرا جی گنگنا رہے تھے۔ دادی اماں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تم بہت خوش ہو۔ بولے آج میں نے ایک ایسی کتاب مکمل کی ہے جس کے چھپنے کے بعد امر ہو جاؤں گا۔ دادی اماں نے پوچھا، کیا مطلب؟ بولے___ جیسے وارث شاہ نے ہیر لکھی ہے ویسے ہی میں نے ''راج رانی میرا بائی''، لکھی ہے۔

چند دن بعد جب کسی پبلشر سے بات کر کے آئے، مسودہ ڈھونڈا تو نہ ملا۔ میرا جی کے کمرے میں ایک کونا تھا جہاں وہ غیر ضروری کاغذ پھینکا کرتے تھے اور کچھ دنوں بعد چھوٹے بھائی سے کہا کرتے ''کاکے'' وہ کونے سے رڈی کاغذ اٹھاؤ اور جا کر بیچ دو اور پیسے تم رکھ لو۔ غلطی سے وہ مسودہ انھیں کاغذات میں پھینک دیا گیا اور وہ کتاب رڈی میں بک گئی۔ بہت کوشش کے بعد بھی وہ مسودہ نہ ملا جس کا افسوس میرا جی کو آخر دم تک تھا۔ وہ کہتے تھے میں کبھی بھی اسے دوبارہ نہیں لکھ سکتا۔

اس صدمے میں زندگی میں پہلی بار اُس دن میرا جی نشے میں گھر آئے اور اپنے بجائے سامنے کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مالک مکان نے دروازہ کھولا، میرا جی کو پہچان کر بتایا کہ منشی مہتاب دین کا گھر سامنے ہے۔ میرا جی بہت شرمندہ ہوئے، سوچا! مجھے اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ اس طرح تو میں اپنے باپ کو بدنام کروں گا۔ انھی دنوں ریڈیو اسٹیشن پر سکرپٹ ایڈیٹر کی جگہ خالی ہوئی.........''۔[۶]

رداشد ڈار نے میرا جی صدی پر بزرگوں سے سنی ہوئی باتوں کو اپنے حافظے میں کریدا تو میرا جی کے رڈی کے بھاؤ بکنے والے کلام کے بارے میں مندرجہ بالا یاداشتیں رقم کیں۔ یادداشتوں کے رقم کرنے میں ایک مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کہانی کی بعض کڑیاں حذف ہو جاتی ہیں یا حافظہ ساتھ نہیں دیتا اور بعض اوقات تسلسل بیان کے لیے یا کہانی کو مکمل کرنے اور رنگ بھرنے کے لیے بعض باتوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ راشد ڈار کے اس طویل اقتباس میں یہ دونوں صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے بیان کا ابتدائی حِصّہ اگر درست معلومات پر مبنی ہے تو راج رانی میرا بائی **میرا جی نے ضرور مکمل کر لی ہوگی اور عنوان کی رعایت سے یہ اُن کے گیتوں کا مجموعہ ہوگا۔ راشد ڈار نے صرف اسی مجموعے کا ذکر کیا اگر عنوان کی رعایت سے یہ گیتوں کا مجموعہ تھا تو پھر نظموں کے مجموعے کی گم شدگی یا اس کے اسی دن اس مجموعے کے ساتھ رڈی کے بھاؤ بکنے کی معلومات اُن کے حافظے کا حِصّہ نہیں رہ سکیں یا اُن کو سنایا ہی اتنا گیا ہو گا کیونکہ اسی زمانے کا نظموں کا مجموعہ قلمی بیاض کی صورت میں دریافت ہو چکا ہے اور اپنی اصل صورت میں میرا جی کے ہاتھ سے لکھا ہوا** حلقۂ پشمِ سیّہ **کے عنوان سے موجود ہے۔**

راشد ڈار کے بیان کے آخری حصّے میں کچھ حسن بیان کو دخل ہے۔ اُنھوں نے میرا جی کی شراب نوشی کو اُن کی کتاب راج رانی میرا بائی کے رڈّی میں بکنے کا نتیجہ قرار دیا ہے جبکہ میرا جی کے احوال لکھنے والے بیشتر لوگوں نے اسے میرا سین کی محبت کا ثمر قرار دیا ہے جو کم از کم اس سے آٹھ دس سال پہلے کا واقعہ ہے یہ بحث غیر ضروری ہے اور یہ بھی غیر ضروری ہے کہ میرا جی نے اس دن پہلی بار شراب پی کر باپ کا نام بدنام کرنے کے جرم میں سزا کے طور پر خود کو لاہور بدر کیا۔ ہمارے موضوع سے متعلق راشد ڈار کے وہ آخری جملے ہیں کہ ''انھی دنوں'' میرا جی آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کی غرض سے دہلی چلے گئے۔ میرا جی ۱۹۴۲ء میں دہلی گئے اور ان کی گم شدہ بیاض بہ عنوان حلقۂ پشم سیّہ میں ستمبر ۱۹۴۰ء کے بعد کی کوئی نظم نہیں ہے۔ اگر یہ بیاض ۱۹۴۲ء میں گم ہوئی ہوتی اور ''انھی دنوں'' وہ دہلی روانہ ہوئے ہوتے تو اس بیاض میں ۱۹۴۰ء تک کا نہیں ۱۹۴۲ء تک کا کلام ہونا چاہیے تھا۔

راشد ڈار نے میرا جی کے رڈّی کے کاغذات بیچنے کے سلسلے میں اُن کے ایک چھوٹے بھائی ''کاکے'' کا ذکر کیا ہے یوں تو کسی بھی چھوٹے بچے کو ''کاکے'' کہہ کر مخاطب کر لیا جاتا ہے لیکن یہ ''کاکا'' میرا جی کا وہ چھوٹا بھائی ہے جس کا نام محمد ضیا اللہ تھا اور جو وجیہہ الدین احمد کے مطابق ۷؎ بہن بھائیوں میں چھٹے نمبر پر تھا یعنی میرا جی سے پانچ درجے چھوٹا۔ اس طرح یہ میرا جی سے کم از کم دس بارہ برس ضرور چھوٹا ہوگا۔ میرا جی کی بیاضوں کا رڈّی میں بکنے کا واقعہ اگر ۱۹۴۰ء کے آخر یا ۱۹۴۱ء کے شروع کا قرار دیا جائے تو اس وقت میرا جی ۲۸ برس کے جوانِ رعنا ہوں گے اور ان کے کلام کو رڈّی کے بھاؤ بیچنے والا پندرہ سولہ برس کا ''کاکا'' لڑکپن کی بہاریں دیکھ رہا ہوگا۔ میرا جی اپنے باقی بہن بھائیوں کی نسبت اس چھوٹے بھائی ضیاء اللہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سعید ڈار لکھتے ہیں:

> ''ثنا کو گھر کے کام کاج سے بہت دلچسپی تھی........ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے معاملات میں دلچسپی لیتا۔ ایک مرتبہ جب اس کی والدہ بہت بیمار ہو گئیں تو اپنے چھوٹے بھائی ضیا کو پہروں کھلایا کرتا۔ اس کے ساتھ اسے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اسے کاکا کہتا۔ کاکا ثنا سے اس قدر مانوس تھا کہ سوائے اس کے کسی کے ہاتھ سے دودھ نہ پیتا۔ یہاں تک کہ اپنی والدہ کے ہاتھ سے بھی دودھ پینے سے انکار کر دیتا۔ ان دنوں ثنا میرا جی بن رہا تھا۔ اس کی مصروفیات بڑھ رہی تھیں۔ مگر اس کے باوجود کاکا کو وقت مقررہ پر دودھ پلانا کبھی نہ بھولتا، خواہ اس کے لیے کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ملتوی کرنا پڑتا''۔ ۸؎

راشد ڈار اور سعید ڈار کے بیانات کو ملا کر پڑھیے تو یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ میرا جی کے جس چھوٹے بھائی نے غلطی سے ان کے مسودات کو رڈّی کے بھاؤ بیچ دیا تھا اس کا نام ضیا اللہ عرف کاکا تھا اس سلسلے کے

مندرجہ بالا سارے بیانات کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ:۔

۱۔ میرا جی کے مسودات رڈی کے بھاؤ بکنے کا واقعہ ۱۹۴۰ء کے آخر یا ۱۹۴۱ء کے شروع کے زمانے کا ہو سکتا ہے۔ جب وہ لاہور میں مقیم تھے اور رسالہ ادبی دنیا سے وابستہ تھے۔

۲۔ میرا جی کے ان گم شدہ مسودات میں ان کی دو بیاضیں راج رانی میرا بائی (گیتوں کا مجموعہ) اور حلقۂ پیشمِ سیّہ (نظموں کا مجموعہ)، میرا سین کے نام لکھے ہوئے وہ خط جو پوسٹ نہ کیے گئے تھے اور کچھ اُن کے تنقیدی مضامین بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ یہ مسودات اُن کے چھوٹے بھائی محمد ضیا اللہ عرف کا کا کے ہاتھوں دوسرے رڈی کاغذات کے ساتھ بکے۔

۴۔ اور یہ کہ اس کا اثر میرا جی پر ضرور ہوا ہوگا، وہ مایوس بھی ہوئے ہوں گے، گھر والوں سے ناراض بھی ہوئے ہوں گے اور روتے بھی ضرور رہے ہوں گے لیکن یہ نہیں کہ انھوں نے پہلی بار شراب نوشی شروع کر دی یا لاہور اور عزیزوں ہی کو چھوڑ دیا۔

میرا جی کی زیرِ نظر گمشدہ قلمی بیاض ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس تھی۔ جب وہ جی سی یونیورسٹی لاہور سے وابستہ تھے اور شعبہ فارسی میں بیٹھا کرتے تھے تو اکثر ان سے ملاقات رہتی تھی۔ اس کے علاوہ میں اپنے محترم دوست ڈاکٹر ہارون عثمانی کے ساتھ کبھی کبھی وحید قریشی صاحب کے گھر بھی چلا جاتا تھا۔ پھر بوجوہ میں نے ان کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصے بعد دو ایک بار ان کا فون آیا کہ آؤ، تم سے کام ہے۔ میں ایک دن چلا گیا تو یہ کہتے ہوئے میرا جی کی یہ بیاض میری طرف بڑھائی کہ ''ایہہ لے، ایہدے تے مضمون لکھ۔ جالبی نیں متن برباد کر دتا اے''۔ میں نے شکریے کے ساتھ بیاض رکھ لی لیکن سوچا کہ جب جالبی صاحب جیسا محقق اور مدوّن اس بیاض کا متن کلیات میرا جی میں شامل کر چکا ہے تو پھر میرے مضمون کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ یہ بھی سوچا ہو سکتا ہے وہ محض میری دلجوئی کی خاطر یہ بیاض مجھے عنایت کر رہے ہوں۔ اس کے بعد بھی دو ایک بار ملنے پر انھوں نے مضمون کا پوچھا لیکن میں مصروفیت کا بہانہ کر دیتا۔ راشد صدی پر استادِ محترم ڈاکٹر سعادت سعید صاحب نے بیاض راشد کے عکس شائع کیے تو میرا جی صدی پر میں نے اس خیال سے بیاض کو نکالا کہ اس کے عکس چھاپ دوں لیکن کلیات میرا جی سے موازنے پر معلوم ہوا کہ اس میں تو رفو کا بہت کام ہے۔ میں ان دنوں اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے میں مصروف تھا اس لیے بیاض کو پھر بند کر کے رکھ دیا۔

میرا جی کی اس گم شدہ قلمی بیاض کا تقریباً تمام متن کلیات میرا جی میں آ چکا ہے اس کے باوجود یہ بیاض

دریافت کا درجہ رکھتی ہے کہ اب تک پردہ اخفا میں تھی اور اس کا تعارف تو کیا ذکر تک کہیں نہیں ملتا۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے چونکہ کلیات میرا جی کے لیے ڈاکٹر وحید قریشی سے اس کی نقل منگوائی تھی اور اس کے متن کو کلیات میں شامل کیا تھا اس لیے ان کی مرتبہ کلیات کے دیباچے میں اس کا ذکر آ گیا ہے لیکن صرف اس قدر کہ اس کلیات میں:

''حلقۂ پشمِ سیّہ نامی بیاض کا کلام بھی شامل ہے جو ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس ہے۔اس بیاض میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، فحش کلام نہیں ہے بلکہ خاصی تعداد میں وہ نظمیں ہیں جو میرا جی کی نظمیں (مطبوعہ ساقی بک ڈپو دہلی ۱۹۴۴ء) میں شامل ہیں۔''۹؎

ڈاکٹر جمیل جالبی آگے چل کر اظہار تشکر کے لیے لکھتے ہیں:

میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے حلقۂ پشمِ سیّہ کی عکسی نقل بغیر کسی تامل کے مجھے ۱۹۷۲ء ہی میں فراہم کر دی تھی۔''۱۰؎

کلیات میرا جی کا پہلا ایڈیشن اردو مرکز لندن سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تھا۔گویا کلیات کی ترتیب کے وقت تک اس بیاض کی نقل سولہ برس ڈاکٹر جمیل جالبی کے زیر مطالعہ رہی۔اس کے بارے میں ان کا یہ کہنا درست نہیں کہ اس بیاض کی نظمیں ''خاصی تعداد'' میں میرا جی نظمیں میں شامل ہیں کیونکہ اس بیاض میں کل باون نظمیں ہیں جن میں سے صرف سات میرا جی کی نظمیں میں شامل ہیں۔اس کی تصحیح کلیات کے دوسرے ایڈیشن میں بھی نہیں ہو سکی۔غرض یہ کہ میرا جی کی اس گم شدہ بیاض کے بارے میں بنیادی نوعیت کی تحقیقی معلومات بھی کہیں نہیں ملتیں۔

میرا جی کے بارے میں چند ایک تحریریں ایسی ہیں جو فی الوقت دستیاب نہیں ہو رہیں جیسے سعید ڈار نے اپنے مضمون ''وہ جو میرا جی نہ تھا'' مطبوعہ ادب لطیف، لاہور، اپریل ۱۹۶۴ء میں لکھا ہے کہ اب تک میرا جی کے خاندان کے لوگوں نے اُن کے بارے میں چھے مضامین لکھے ہیں۔ مجھے اُس زمانے کے صرف دو مضامین مل سکے ہیں باقی کی ابھی تلاش ہے۔ڈاکٹر وحید قریشی صاحب، جن کے پاس یہ بیاض ایک عرصہ رہی، اُن کی بھی کوئی تحریر اس کے بارے میں میری نظر سے نہیں گزری۔ برادرم ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی جو ڈاکٹر وحید قریشی کے بہت قریب رہے اور ان کے بارے میں نذرِ وحید بھی مرتب کی ہے، انھوں نے بھی تصدیق کی ہے کہ اس بیاض کے بارے میں ان کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ میں بھی ان سے اپنی بے وقوفانہ خفگی کے باعث کوئی پوچھ گچھ نہیں کر سکا تھا۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری صاحب جو براہِ راست ان کے شاگرد ہیں اور ۱۹۶۲ء میں اورینٹل کالج لاہور میں اُن سے درس لیتے رہے،

اُن کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کلاس میں میراجی کی یہ بیاض لایا کرتے تھے اور اس سے پڑھایا کرتے تھے۔اس سے کم از کم یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیاض ۱۹۶۲ء سے تو ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس ضرور ہی تھی۔ان کے پاس یہ بیاض کہاں سے آئی۔اُن کی کسی یادداشت کی غیر موجودگی تک، یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے خود کسپرانی کتابیں بیچنے والے سے خریدی یا اُن کے کسی خوش ذوق دوست نے اُن کی دلچسپی کے پیشِ نظر انھیں تحفے میں دی۔

بیاضِ میراجی: تعارف اور اہمیت:

☆ میراجی کی یہ بیاض اوّل تا آخر اُن کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی ہے اور اس پر کسی دوسرے کے قلم سے ایک لکیر یا نقطہ تک نہیں۔

☆ یہ بیاض سرورق سے لے کر آخری سادہ اور خالی صفحے تک مکمل صورت میں موجود اور محفوظ ہے اور اس کا کوئی صفحہ ضائع نہیں ہوا۔

☆ یہ بیاض ہر قسم کے آزار یعنی آب زدگی اور کرم خوردگی سے محفوظ ہے اور کوئی ورق کٹا پھٹا ہوا بھی نہیں ہے۔محض چند صفحے کناروں سے آب زدہ ہیں لیکن ان سے متن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

☆ اس بیاض کا سارا متن صاف جلی، نمایاں اور قابل قرأت ہے۔

☆ صرف چند اوراق کے علاوہ اس بیاض کے لیے ایک ہی معیار کا کاغذ استعمال ہوا ہے جو اپنے زمانے کے لحاظ سے معیاری، صاف، دبیز اور قدرے چمک دار ہے۔

☆ اس بیاض کا سائز=۲۰۸×۳۰ ہے۔

☆ سرورق سے لے کر آخر تک متن کے ہر صفحے پر میراجی کے دستخط ہیں۔

☆ پوری بیاض سیاہ روشنائی سے لکھی گئی ہے صرف چھ نظمیں نیلی روشنائی سے ہیں۔

☆ اس بیاض کو تحریر کرنے کے لیے باریک قط والے ہولڈر یا روشنائی والے پین کا استعمال کیا گیا ہے۔

☆ بیاض پر مسلسل صفحات نمبر درج نہیں ہیں بلکہ ہر نظم کے صفحات پر الگ الگ نمبر شمار ہیں۔ایک صفحے کی نظم پر کوئی صفحہ نمبر درج نہیں۔

☆ ہر نظم نئے صفحے سے شروع ہوتی ہے اور طاق صفحے پر ختم ہونے والی نظم کا اگلا جفت صفحہ خالی چھوڑا گیا ہے۔

☆ ایک نظم کے سوا ہر نظم کے آخر میں اختتام کی علامت بنائی گئی ہے۔

☆ اس بیاض میں ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک کی نظمیں ہیں۔

☆ اس بیاض کی تقریباً ہر نظم پر تاریخ درج ہے۔

☆ اس بیاض میں موجود پہلی نظم ۱۱۔اکتوبر ۱۹۳۳ء کی تخلیق ہے جس کا عنوان ''پران دان کی پہلی'' ہے۔

☆ اس بیاض کی زمانی لحاظ سے آخری نظم ''ترقی پسند ادب'' ہے جو ۱۳۔ستمبر ۱۹۴۰ء کی تخلیق ہے۔

☆ زمانی تعین والی اس آخری نظم کے بعد بیاض کے آخر میں پانچ نظمیں ایسی ہیں جن پر کوئی بھی تاریخ درج نہیں ہے۔ان نظموں کے عنوانات بالترتیب یہ ہیں: ''طائرِ شب''، ''نہر پر''، ''جنسی عکس خیالوں کا''، ''تشبیہیں''، ''ایک عورت اور ایک تجربہ''۔

☆ پانچ نظمیں اس بیاض میں ایسی ہیں جن پر صرف سال تحریر درج ہے۔ان کے عنوانات یہ ہیں: ''تماشہ''، ''چنچل''، ''بلندیاں''، ''اجنبی انجان عورت رات کی''، اور ''حادثہ''۔

☆ ایک نظم ''چیستان'' ایسی ہے جس پر تاریخ اور سال درج ہے لیکن مہینے کا نام سہواً درج ہونے سے رہ گیا ہے۔

☆ ''شکوہ'' کے عنوان سے ایک نظم ایسی ہے جس کے آخر میں تاریخ کی جگہ یہ الفاظ درج ہیں: ''۳۵ اور ۳۷ کے درمیان''۔

☆ اس بیاض میں نمبر شمار جہاں پہ بھی ہیں وہ اُردو ہندسوں میں ہیں یعنی صفحات نمبر اور تاریخیں۔تاریخ میں مہینا بھی اُردو ہندسوں میں لکھا ہے اور تاریخ کے اندراج کا طریق بھی اردو تحریر کی طرح ہے یعنی دائیں سے بائیں۔

☆ زمانی لحاظ سے اس بیاض میں ۱۹۳۵ء کی نظمیں تعداد میں سب سے زیادہ یعنی چوبیس ہیں۔ان میں سے بھی جنوری اور فروری ۱۹۳۵ء کی نظمیں زیادہ ہیں۔اس بیاض کی حد تک یہ سال گویا میرا جی کی نظم نگاری کے عروج کا زمانہ ہے۔اس کے بعد غالباً گیت نگاری کی طرف ان کی توجہ زیادہ ہوگئی تھی۔

☆ ۱۹۳۴ء کی آٹھ نظمیں ہیں۔

☆ ۱۹۳۶ء کی سات نظمیں ہیں۔

☆ ۱۹۳۷ء کی چار ہیں۔

☆ ۱۹۳۸ء کی ایک بھی نظم موجود نہیں ہے جو شاید ''ادبی دنیا'' میں ملازمت کی وجہ سے مصروفیت بڑھ جانے کا نتیجہ

ہے۔

☆ ۱۹۳۹ء کی صرف ایک نظم ہے۔

☆ ۱۹۴۰ء کی دو نظمیں ہیں۔

☆ ۱۹۳۶ء کی تقریباً تمام نظمیں تاریخ تحریر درج ہونے کے باوجود زمانی لحاظ سے بے ترتیب ہیں۔ ۱۹۳۴ء اور ۱۹۴۰ء کی ایک ایک نظم بھی اسی زمانی بے ترتیبی کا شکار ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ تمام نظمیں زمانی ترتیب سے بیاض کی زینت ہیں۔

☆ ایک نظم ''میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں'' اس بیاض میں الٹی طرف سے لگی ہے یعنی ایک ورق کے دونوں طرف لکھی گئی اس نظم کا دوسرا اور آخری صفحہ پہلے آ گیا ہے اور عنوان والا پہلا صفحہ بعد میں ہے۔

☆ صفحات پر پھیلاؤ کے لحاظ سے دو نظمیں ''پران دان کی پہلی'' اور ''ایک کلی اور اُس کے مالی'' اس بیاض کی طویل ترین نظمیں ہیں جو تین تین صفحات پر محیط ہیں۔

☆ اس بیاض کی پندرہ نظمیں ایسی ہیں جو دو دو صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

☆ پینتیس نظمیں ایک ایک صفحے کی ہیں۔

☆ اس بیاض کے سرورق کے بعد فہرست کا صفحہ ہے جس پر صرف چودہ نظموں کے نام درج ہیں جبکہ بیاض میں نظمیں زیادہ ہیں۔ فہرست میں مندرج ان چودہ میں سے بھی دو نظمیں ''سوال'' اور ''کیف حیات'' بیاض میں موجود نہیں۔

☆ بیاض میں دوسری نظم کے طور پر نظم کا عنوان ''تحریک'' درج ہے لیکن اس کے نیچے پہلے مصرعے کے صرف دو لفظ ہیں ''تمہاری تمناؤں'' اس کے بعد پورا صفحہ خالی ہے۔ آگے چل کر بیاض کی بیسویں نظم کے طور پر اس مکمل نظم کو شامل کیا گیا ہے۔

☆ اس بیاض میں کل باون نظمیں ہیں جن میں سے صرف چودہ نظمیں ایسی ہیں جو میرا جی کے شعری مجموعوں میں شامل ہو سکی ہیں۔

☆ اس بیاض کی دو مختلف نظموں کا عنوان ''ایک گیت'' ہے۔ ان میں سے ایک میرا جی کے گیت میں بطور گیت شامل ہے۔

☆ میرا جی کے شعری مجموعوں میں آنے والی چودہ نظموں کے علاوہ پانچ مزید ایسی نظمیں ہیں جو رسالہ نیا دور

میں شائع ہوئیں۔اس کا تعین کلیات میراجی مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی سے ہوتا ہے۔

☆ مذکورہ بالا انیس نظموں کے بعد تینتیس نظمیں ایسی بچتی ہیں جو غیر مطبوعہ نظموں کا درجہ رکھتی تھیں۔(ان میں سے مزید کچھ رسائل میں بھی ضرور شائع ہو چکی ہوں گی) ایک نظم ''منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں'' کے علاوہ باقی بتیس نظمیں کلیات میراجی میں پہلی بار سامنے آئی تھیں۔

☆ اس بیاض میں شامل اکثر نظموں پر میراجی نے ایک سے زیادہ بار نظر ثانی کی ہے۔اس طرح اُن میں ترمیم و اضافے کا عمل دکھائی دیتا ہے۔

☆ اس بیاض کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ میراجی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی اور اُن کی نظر ثانی شدہ ہے۔

☆ یہ بیاض اوّل تا آخر مکمل ہے اور اس کا متن ہر طرح کے نقصان سے محفوظ ہے۔

☆ اس بیاض کے ذریعے پہلی بار میراجی کے طرز املا اور رسم الخط کا تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

☆ میراجی کی ۱۹۴۰ء تک کی نظموں کے تاریخی تعین میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

☆ اس بیاض کے ذریعے میراجی کی ۱۹۴۰ء تک نظم نگاری کی تاریخ مرتب ہوتی ہے جس سے اُن کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

☆ اس بیاض کی مدد سے میراجی کی چالیس نظموں کے سال تحریر کے علاوہ تاریخ اور مہینے کا بھی تعین ہوتا ہے۔

☆ اس کے ذریعے کلیاتِ میراجی میں شامل بعض نظموں کی تاریخ تخلیق کی توثیق اور تصیحح ہوتی ہے۔

☆ کلیاتِ میراجی میں اس بیاض کے شامل ہونے کے باوجود میراجی کی چوبیس نظموں کی تاریخ تخلیق کا تعین پہلی بار اس اصل بیاض کے ذریعے ہوتا ہے۔مثلاً:

۱۔ بے تکلف عریانی، بے حجاب جنسیت (۲۲۔جنوری ۱۹۳۵ء)

کلیاتِ میراجی میں اس نظم کا واحد ماخذ زیرِ نظر بیاضِ میراجی ہے جس میں مکمل تاریخ موجود ہے لیکن مہینے کا ہندسہ اوپر سے نم آلود ہونے کی وجہ سے ذرا سا پھیل گیا ہے۔جالبی صاحب اس کا تعین نہیں کر پائے تو انھوں نے مہینے کے ساتھ تاریخ سے بھی اس نظم کو آزاد کر دیا ہے اور صرف سال لکھنے پر اکتفا کر لیا حالانکہ واضح طور پر ایک ہندسہ دکھائی پڑتا ہے اور پھر یہ نظم بیاض میں ان نظموں کے درمیان ہے جو جنوری ۱۹۳۵ء کی ہیں مثلاً ترتیب میں اس سے پہلے ۲ جنوری کی ایک اور ۵ جنوری کی دو نظمیں ہیں اور اس کے بعد

۲۵ جنوری کی اور دو ۲۷ کی اور ایک ۲۹ جنوری کی ہے اسی طرح آگے فروری ۱۹۳۵ء کی بھی چند نظمیں ہیں۔ لہٰذا حتمی طور پر اس نظم کی تاریخ تحریر ۲۲ جنوری ۱۹۳۵ء ہی ہے۔

۲۔ جوانی کے گھاؤ (۲۵۔فروری ۱۹۳۵ء)

کلیاتِ میرا جی میں شامل اس نظم کا واحد ماخذ بیاضِ میرا جی ہے اور بیاض میں واضح طور پر نظم کے آخر میں ۲۵۔۲۔۱۹۳۵ء کی تاریخ درج ہے لیکن جالبی صاحب نے اس تاریخ کو ظاہر نہیں کیا۔ سہواً اُن کی نظر سے رہ گئی ہوگی۔

☆ اس بیاض پر میرا جی نے نظرِ ثانی کرتے ہوئے جو ترمیم و اضافے کیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے اُن میں سے اکثر کو ظاہر نہیں کیا۔

☆ کلیاتِ میرا جی میں جن نظموں کا واحد ماخذ زیرِ نظر بیاضِ میرا جی ہے اُن کو کلیات میں درج کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی بعض لفظوں کی درست قرأت نہیں کر سکے۔ اس طرح لفظ کچھ سے کچھ بن گئے اور بعض مصرعے کلیات میں بے معنی ہو کر رہ گئے۔ ان کی تصحیح پہلی بار اس بیاض کی مدد سے کی جا سکے گی۔ مثلاً

۱۔ میرا جی کی نظم ''چنچل'' کا ایک مصرع بیاض میں اس طرح ہے:

''یہ ڈھنگ منوہر اور زہری سُوجھے ساگر کی پریوں سے''

اس مصرعے میں سے لفظ ''زہری'' کلیات میں ''زبری'' بن گیا ہے۔

۲۔ ایک نظم ''شجرِ ممنوعہ کی ترغیب'' کا ایک مصرع بیاض میں یوں ہے:

''آج باقی ہے! ـــــ بہ ایں حسنِ دواں''

جبکہ کلیاتِ میرا جی میں ''حسنِ رواں'' درج ہے۔

۳۔ ''ایک کلی اور اُس کے مالی'' کے بیاض میں دو شعر اس طرح ہیں:

''اور آنکھوں کے پیغاموں کا　　پیتم نے میٹھے ناموں کا
ہار مِری آنکھوں کو دکھایا　　اور مجھے سرمست بنایا''

ان میں سے تیسرے مصرعے کا پہلا لفظ روشنائی کے قدرے پھیل جانے سے ''ہار'' اور ''بار'' دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے لیکن ''یار'' کسی صورت دکھائی نہیں دیتا جبکہ کلیاتِ میرا جی میں اس کی قرأت ''یار'' کی گئی ہے۔ اس سے پہلے مصرعے ''پیتم نے میٹھے ناموں کا'' کے بعد ''یار'' کا تو کوئی محل نہیں بنتا کہ پیتم نے کون سا یار

دکھانا تھا۔ ''بار'' کا محل یوں نہیں کہ اگلے مصرعے میں سرمستی اور سرشاری کا تاثر ہے لہٰذا یہ لفظ ''ہار'' ہی ہو سکتا ہے۔

۴۔ بیاضِ میراجی کی ایک نظم ''چیستان'' کا ایک مصرع ہے:

''لے کے، دے کے انگ دان''

اس مصرعے میں واضح طور پر ''انگ'' پڑھا جا رہا ہے۔ اس بند میں معنی کے لحاظ سے محل بھی ''انگ'' کا ہے لیکن جالبی صاحب نے غلط قرأت کی اور کلیات میں اسے ''الگ'' بنا لیا۔

۵۔ بیاض کی نظم ''تحلیل کے بعد'' کا تیسرا مصرع یوں ہے:

''اندرونی ملامتیں جاگیں''

اور یہ واضح طور پر پڑھا جا رہا ہے۔ کلیاتِ میراجی میں بیاضِ میراجی سامنے ہونے کے باوجود اس نظم کا ماخذ نیا دور درج ہے گویا اس نظم کا متن نیا دور کے مطابق ہے۔ اس طرح نظم کے مذکورہ مصرعے کے لفظ ''ملامتیں'' کو کلیات میں نیا دور کی پیروی میں ''علامتیں'' بنا دیا گیا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس سے مصرع کس قدر بے معنی ہو گیا ہے۔

کلیاتِ میراجی کا متن کس بے دردی سے مسخ ہوا ہے اس کا اندازہ مندرجہ بالا مثالوں سے کیا جا سکتا ہے اور ایسی بیسویوں مثالیں مزید ہیں۔

☆ کلیاتِ میراجی میں ڈاکٹر جمیل جالبی ہی نے صحتِ متن کو نظر انداز نہیں کیا پابند نظمیں میں مختار صدیقی بھی اس سہو و خطا یا لاپرواہی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پابند نظمیں کی ترتیب کا کام خود میراجی نے ہی مکمل کیا تھا لیکن اس کا مسودہ مختار صدیقی کے پاس رہا اور انھوں نے میراجی کی وفات کے کئی برس بعد ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔ زیرِ نظر بیاضِ میراجی میں موجود ایک نظم ''گھنا، گرم جادو کسی رات کا'' کا ایک بند ملاحظہ کیجیے:

گرفتار تھا حُسن کے جال میں
تھرکتا تھا لذّت سے ہر ایک تار
حیا مست، بیخود تھی، مدہوش تھی
تھے بیباک دونوں، شکاری_ شکار

بیاضِ میراجی کی جس نظم کا یہ بند ہے وہ پابند نظمیں میں بھی شامل ہے اور کلیاتِ میراجی میں بھی شامل ہے۔کلیات میں اس کا ماخذ پابند نظمیں ہی کو بنایا ہے لیکن ان دونوں جگہ مندرجہ بالا بند کا دوسرا مصرع مختلف ہے۔پابند نظمیں میں اس طرح ہے:

تھرکتا تھا لذّت سے ہر ایک تار میں

گویا مختار صدیقی نے (یا سہواً خود میراجی نے) اس مصرعے کے آخر میں ''میں'' کا اضافہ کر دیا ہے خیال یہ کیا ہوگا کہ اس سے پہلے مصرعے کے آخر میں ''میں'' ہے تو یہاں بھی آنا چاہیے کیونکہ یہ پابند نظمیں ہیں۔اس طرح پورے مصرعے پر توجہ نہ رہ سکی اور نہ پوری نظم کی ہیت ہی کی طرف دھیان گیا جس سے مصرع وزن سے خارج ہو گیا۔کیونکہ یہ ساری نظم فعولن فعولن،فعولن،فعولن،فعو کے وزن پر ہے۔اس کے چار بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور پابندی کے ساتھ ہر بند کے ہر شعر کا دوسرا مصرع آپس میں ہم قافیہ ہے یعنی ہر بند کے دونوں شعر آپس میں ہم قافیہ ہیں۔اس بند کے دوشعروں میں ''تار''اور ''شکار'' گویا قافیے ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس پابند نظم کی ہیت کو نظر انداز کرتے ہوئے پابند نظمیں کے بے وزن مصرعے کو اس طرح وزن میں کیا ہے:

تھرکتا تھا لذت سے ہر تار میں

یعنی مصرعے کو وزن میں لانے کے لیے ''ایک'' کو نکال کر اس کی جگہ ''ہر'' رکھ دیا۔شعوری تحریف کا کلیاتِ میراجی کے متن کو بے توجہی اور لاپرواہی سے ترتیب دینے کا عالم یہ ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے پاس بیاضِ میراجی کی نقل موجود تھی اس کے باوجود انھوں نے اسے نظر انداز کیا اور متنی الجھن کو حل کرنے کے لیے اپنے قیاس کو ترجیح دے کر تحریف کر ڈالی۔ستم یہ کہ پابند نظمیں کے سہو کی نشاندہی کیے بغیر اس کی اصلاح فرما کر ایک اور غلطی کے مرتکب ہوئے۔

☆ کلیاتِ میراجی میں بیاض کی نسبت بعض مصرعوں کی ترتیب اور بعض جگہ نشت اور بعض جگہ نظموں کے بند کی تقسیم بدل گئی ہے جس سے نظموں کی ہیت متاثر ہوئی ہے مثلاً

۱۔ میراجی کی نظم ''تحلیل کے بعد'' کے آخری چار مصرعے بیاض میں اس طرح ہیں:

اس طرح خلوت شبانہ کا

اختتام

ایک بوسۂ مبہم

بن کے رہ جائے گا، نہ تھا معلوم

میراجی نے یہاں اگر ایک لفظ کو ایک الگ مصرعے کے طور پر اور وقفے سے درج کیا تو ظاہر ہے وہ کوئی صوتی تاثر بنانے کے لیے ہے۔ ایک لفظ پر مشتمل اس الگ مصرعے ''اختتام'' کو کلیات میں اگلے مصرعے کے شروع میں لگا کر دو مصرعوں کا ایک مصرع بنا دیا ہے جس سے ہیئت اور مفہوم دونوں کو ضعف پہنچا ہے۔

۲۔ کلیاتِ میراجی میں ''طائرِ شب'' کا واحد ماخذ بیاضِ میراجی ہے۔ اس نظم کے چار مصرعے اس ترتیب سے درج ہیں:

چاہت ہے ملنا روحوں کا

چاہت ہے کھلنا کلیوں کا

دو گیتوں کا گھل مِل جانا

آکاش کا سندیسہ آنا

میراجی نے ان میں سے تیسرے مصرعے کے آخر سے کچی پنسل سے اس طرح الٹی لکیر کھینچی ہے جو اس تیسرے مصرعے کو ایک طرح سے خط کشیدہ کرتی ہوئی چوتھے مصرعے کے آغاز کی طرف سے ہو کر اس کے نیچے تیر کا نشان بناتی ہوئی ختم ہوئی ہے۔ واضح طور پر یہ اشارہ ہے کہ ان میں سے تیسرے مصرعے کو چوتھے مصرعے کے بعد رکھا جائے یعنی ان میں سے تیسرا مصرع چوتھا اور چوتھا تیسرا بن جائے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس اشارے سے یہ سمجھے کہ ان دونوں مصرعوں کا ایک مصرع بنانا ہے اور انھوں نے کلیات میں ایسا کر دیا یعنی چوتھے مصرعے کو تیسرے کے بعد رکھ کے ایک مصرع بنا دیا۔ حالانکہ واضح طور پر تیر کا نشان چوتھے مصرعے کے آغاز پر نہیں رُکا بلکہ پہلے حرف الف ممدودہ کے نیچے تک آیا ہے۔ میراجی کے ترمیم کے اشارے پر عمل کر کے ان مصرعوں کو دوبارہ پڑھیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی مفہوم میں تبدیلی آئی ہے کہ ''دو گیتوں'' کا گھلنا ملنا اپنی مرضی سے نہیں بلکہ قدرت کا پیغام اور فطرت کا تقاضا ہے یعنی ملاپ کو خود پر لینے کی بجائے قدرت کے حکم کی تعمیل قرار دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے اس مفہوم کو بیان کرنے کے لیے سندیسہ پہلے آئے گا اور اُس کے نتیجے میں ملاپ ہوگا۔ یہی مفہوم پہلی ترتیب سے بھی ظاہر کیا جا سکتا تھا لیکن اس صورت میں ''آنا'' کے قافیے کو قربان کرنا پڑتا۔

۳۔ میراجی کی نظم ''بلندیاں'' جو بیاض میں بھی ہے، میراجی کی نظمیں میں بھی اور کلیاتِ میرا

جی میں بھی شامل ہے جہاں اس کا ماخذ میرا جی کی نظمیں ہے۔ بیاض میں اس کے تین بند بنائے گئے ہیں جبکہ میرا جی کی نظمیں میں بند کی تقسیم کے بغیر مسلسل ہے۔ کلیات میرا جی میں ان دونوں ماخذ سے انحراف کرتے ہوئے اس کے دو بند بنا دیے گئے ہیں۔

☆ میرا جی کی ایک نظم ہے ''منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں'' یہ اس بیاض میں موجود ہے لیکن کلیات میرا جی میں شامل نہیں ہو سکی تھی حالانکہ یہ اس وقت تک غیر مطبوعہ تھی۔ یہ نظم پہلی بار اختر الایمان کے مرتبہ مجموعے سہ آتشہ (۱۹۹۰ء) میں شامل ہوئی۔ اس میں شائع ہو جانے کے باوجود کلیات کے دوسرے ایڈیشن (۱۹۹۶ء) میں بھی شامل نہیں ہے حالانکہ سہ آتشہ کلیات کے مآخذ میں موجود ہے۔

میرا جی کی ایک اور نظم ہے ''میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں''۔ بیاض میرا جی میں اس نظم کے چھوٹے بڑے دس بند ہیں جن میں سے کلیات میرا جی میں اس نظم کے صرف پہلے چھ بند اور ساتویں بند کے پہلے دو مصرعے شائع ہوئے ہیں۔ گویا کلیات میں شامل یہ نظم نامکمل ہے اور اس کے آخری چار بند اب میرا جی کے غیر مطبوعہ کلام کا درجہ رکھتے ہیں، جو اس سے پہلے کہیں بھی شائع نہیں ہوئے۔ اس نظم کے یہ چار غیر مطبوعہ بند ملاحظہ کیجیے:

مگر رازِ حقیقت مجھ پہ ظاہر ہی نہیں ہوتا،
میرا شکی تخیّل اپنی پروازوں میں اُلجھا ہے!
میرا معبود کیوں محکوم ہے میرے خیالوں کا؟
(معبود سمجھا ہوں، فقط میرا تصوّر ہے!)
وہ اک آزاد ہستی کیوں نظر آتا نہیں مجھ کو؟

یہ جذبے دل میں رہ کر، کُند ہو کر پھر اُبھرتے ہیں،
یُونہی میں ہوں، یہ میری زندگی، اَور جنس کی اُلجھن،
مجھے معبود سے ملنا میسّر ہی نہیں ہوتا!

میرا معبود عورت ہے!

میں جنسی کھیل کو کیوں اِک تن آسانی سمجھتا ہوں؟
عبادت کے طریقے حرکتیں ہیں جوش میں لاتی،
گھٹا میں جس طرح بجلی چمکتی ہو،
کہ جیسے بحرِ طوفاں خیز کا جلوہ!

میری معبود اک عورت ہے، میرے ذہن کا نغمہ،
مُجھے ملنا میسّر ہی نہیں ہوتا،
میں جنسی کھیل کو صرف اِک تن آسانی سمجھتا ہوں!

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ اخلاق احمد دہلوی، ''رڈی کے بھاؤ''، مشمولہ: نقوش (سالنامہ)، (لاہور: شمارہ نمبر ۱۵، ۱۶، دسمبر ۱۹۵۰ء)، ص: ۹۱

۲۔ اخلاق احمد دہلوی، ''رڈی کے بھاؤ''، مشمولہ: نقوش (سالنامہ)، ص: ۹۱

۳۔ اخلاق احمد دہلوی، ''رڈی کے بھاؤ''، مشمولہ: نقوش (سالنامہ)، ص: ۹۳

۴۔ شاہد احمد دہلوی، ''میرا جی''، مشمولہ: میرا جی: ایک مطالعہ، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ص: ۵۸

۵۔ رشید امجد، ڈاکٹر، میرا جی: شخصیت اور فن، (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۵ء)، ص: ۸۷

۶۔ راشد ڈار، ''میرا جی - چند یادیں''، مشمولہ: بازیافت، (لاہور: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، شمارہ: ۲۱، جولائی - دسمبر ۲۰۱۲ء)، ص: ۹۹-۱۰۰

۷۔ وجیہہ الدین احمد، ''سرگذشتِ میرا جی''، مشمولہ: شعر و حکمت، دورِ دوم، کتاب اوّل، (حیدر آباد: ۱۹۸۷ء)، ص: ۲۱

۸۔ سعید ڈار، ''وہ میرا جی نہ تھا''، ادبِ لطیف، (لاہور: اپریل ۱۹۶۴ء)، ص: ۱۱

۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، مرتبہ: کلیاتِ میرا جی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء)، ص: ۳۰

۱۰ا۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، مرتبہ؛ کلیاتِ میرا جی، ص:۳۲

بیاضِ میرا جی: عکسی متن

(٢٩)

مراجعي لما [illegible] مجيدي

"حلقة شيخ سيه"

([illegible])

و

حلقهٔ چشم سیه

٣

سوال - ✓ (جانا پہچان)

شجرِ ممنوعہ کی ترغیب -

شکوہ - (ادبِ دنیا)

طائرِ شب -

کیفِ حیات - ✓ (ادبِ دنیا)

گھنا، گرم جادو کسی رات کا -

محبت کا گیت - ✓ (ادبِ دنیا)

مدھوری بائی -

مسافروں کی تلاش -

لی نعت -

منتظر رہے ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں،

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں،

نہر پر - (نوائے وقت)

نیرنگِ خیال -

پیران داں کی پہیلی

عقلی قوت سے باہر
ہاں، ایک انوکھا منظر

من موہن، پیارا جادو — جیسے ساون کے بادل،
جیسے بادل کے آنسو — جیسے برکھا کا منگل۔
یا اندر دھنش کی لہریں — رنگوں کی پیاری نہریں۔
یا جیسے ہو پو پھٹتی — اور گستاخی سورج کی۔
لیکن سب ایسی باتیں — اندھی، انجانی راتیں
نظروں سے اوجھل، چھپ کر — نظروں سے اوجھل، چھپ کر۔

اک دل میں ایسا جذبہ؛ — ہر شئے میری ــ میری ہے،
میں ہوں اک ایسا نغمہ، — جس سے سب کو سیری ہے۔
اس مدماتے نغمے سے — نکلیں ہلکے شعلے سے
جیسے برکھا کے آنسو — جیسے موروں کی "پی ہو"۔

اک دل میں ایسا جذبہ: — ہر شئے تیری ــ تیری ہے،
میں ہوں اک نازک ٹہنی، — البیلی، شرماتی سی۔
گھونگٹ کی ہلکی چلمن، — ہے لاج کا میٹھا بندھن،
جب یہ پردہ ہٹ جائے، — ٹہنی ٹوٹے، بل کھائے۔

بس، ایسی ہی یہ باتیں، — جیسے گیتوں کے گھر میں
گمبھیر صدا کی ماتیں — سارنگی کی تھرتھر میں۔
کچھ میٹھے بول، رسیلے — دل کو بہلانے والے
کچھ تیکھے بول، کٹیلے — دل میں بس جانے والے۔
اور تاروں کی ہر لرزش — بے چین ہوا کی کاہش،
روتی، روتی، روتی سی — دکھ دردوں میں کھوتی سی۔

ہاں ایسے ہی، ایسے ہی — اک ناچ، اک ناچ، بہاؤ

ہاں ایسے ہی، ایسے ہی — اک دل کا دارو، گھاؤ۔

ہر حرکت کا الجھاؤ — ہر حرکت کا پھیلاؤ

آہستہ سے، دھیرے سے — آہستہ سے، دھیرے سے

جیسے ہو کہانی غم کی، — جیسے صورت ماتم کی،

جیسے روتے دکھیاری — سسکی کی زنجیریں سی

ہچکی آئے تو ٹوٹیں — ہچکی آئے تو ٹوٹیں،

ہاں ویسے ہی، ویسے ہی — ہاں ویسے ہی، ویسے ہی

اک سادہ سادہ، دیوانہ سا راگ۔

خوابوں والی کیفیت

جیسے مندر میں کومل — پائل، بجتی ہو گھنٹی۔

چندا کے اجیالے میں — پیڑوں کی الجھی شاخیں۔

نازک ننھی شاخوں کے — کچھ دھندلے، دھندلے سائے

پھیلے پھیلے سے سائے — الجھے الجھے سے سائے۔

(ہوا، بکھرے، ہلا، بکھرے)

~~یا~~

چھوتے ہیں جیسے ملائم — کالے بالوں کا ریشم۔

یا جیسے آنکھیں دیکھیں — ہو چاندنی پیلی پیلی،

قدموں کے نیچے پھیلی۔

اک نور کہ بھیدوں والا — کچھ دھولے دھولے دھبے،

ہاں، اور کچھ مٹیالے سے — میلے اور مٹ میلے سے۔

اک مہکی ہوئی سی گرمی — جیسے جسموں کی سنگت

کچھ راز کی باتیں، خلوت، — دل کی دل سے ~~جھنجل~~ تا

ملاری

جیسے سُونے جنگل میں کچھ پنچھی مل کر گاتے -
کچھ بے معنی سی باتیں
پھر وصل کی تابانی سی اک نازک دل کی دھڑکن
اور سازوں کی جھنکاریں -
پھر اک پل کی بے رنگی یا کیف کی تان سُریلی
اور جذبے ہی کی بلندی -
اک شمع کہ بجھتی بجھتی، اک تان کہ گھٹتی مٹتی،
اور پھر اک مست انجام، جیسے ساحل کی جھاگ
اک ہلکا ہلکا جوش، بیتاب مگر خاموش -
ایسے جیسے مخمور، مقصد سے کوسوں دور -
اور پھر ان سب سے آخر اونچی اونچی دیواریں،
دیواروں پر صورت کے جذبوں والے پیراہن،
لٹکے لٹکے لہراتے، ہلکے ہلکے بل کھاتے،
ہاں ایسے ہی ایسے ہی - ہاں ایسے ہی، ایسے ہی
اک سادہ سادہ، دیوانہ سا راگ!

۱۱ - ۱۰ - ۴۳

غزل

تحریک

تمہاری تمنّاؤں

تماشہ

پیتم! میں ہوں پریم مداری
اِک پل میں کھولوں گا پٹاری
ناگ اِس میں سے نِکلے گا کالا
(صاف، چمکتا، زہری بھالا)
پریم کے پنچھی کو ڈس لے گا۔

پریم کا پنچھی سہما سہما،
تیرے ہی پہلو میں ہو گا،
اور پھر بین بجاؤں گا میں
ناگ کو ناچ نچاؤں گا میں
ناچ ناچ کر ناگ تھکے گا۔

بازو اُلجھیں گے بالوں میں۔
تیرے کالا ہی سے گالوں میں
سرخی سفیدی بن جائے گی،
نیند سی اک تجکو آئے گی   تجھ پر چھائے گی۔
اور پھر جذبہ کروٹ لے گا۔

سونی، آدھی رات کے لمحے
یہ ساری باتیں دیکھیں گے،
میں جانوں گا، تُو جانے گی،
بھید نہ جانے گا یہ کوئی،
سویا سورج جاگ اُٹھے گا۔

—— ⁂ ——

۳۹ — ۔ — ۔

ماکوس

نارسائی

رات اندھیری، بن ہے سُونا، کوئی نہیں ہے ساتھ،
پون جھکولے پیڑ ہلائیں، تھر تھر کانپیں پات۔
دل میں ڈر کا تیر چُبھا ہے، سینے پر ہے ہاتھ،
رہ رہ کر سوچوں، یوں کیسے پوری ~~پڑ~~ ہوگی رات؟

برکھا رُت ہے اور جوانی، لہروں کا طُوفان،
پیتم ہے نادان، مرا دل رسموں سے انجان۔
کوئی نہیں جو بات سجھائے، کیسے ہوں سامان؟
بھگون! مجھکو راہ دِکھا دے، مجھکو دیدے گیان!

چپو ٹوٹے، ناؤ پُرانی، دُور ہے کھیون ہارا
بیری ہیں ندی کی موجیں اور پیتم اُس پار۔
سُن لے سُن لے دُکھ میں پکارے اک برہنی بےچارا
کیسے جاؤں، کیسے پہنچوں، کیسے جتاؤں پیار؟
کیسے اپنے دل سے مٹاؤں برہ اگن کا روگ؟
کیسے سمجھاؤں پریم پہیلی، کیسے کروں سنجوگ؟ تم السنہ لیہ۔
بات کی گھڑیاں بیت نہ جائیں، دُور ہے اُس کا دیس،
دُور دیس ہے پیتم کا اور میں بدلے ہوں بھیس۔

۳۱-۳-۳۲

دوہے

ایک مکالمہ

"میرے کومل ہردے میں یہ بات اُٹھی ہے چُپکے سے،
"آپ ہمارے ہمسائے ہیں، آپ کی سیوا دھرم کا کام"

بیسوا گاہک سے کہتی تھی، سُن لے گیانی، من میں سوچ۔
انگ میں ہے پتھّر کی سختی، انگ میں بید کا میٹھا لوچ۔
انگ سے انگ لگا کر نر ناری بھولیں یہ جگ سارا،
گیان کی بوند کرے گی کیا، جب کام کی بہنے لگی دھارا؟

"سستے مہنگے جیسے بھی ہیں، سب اچھے ہیں تیرے دام،
"جسم کی پیاس بُجھے گی تجھ سے، رات اکٹھّے لیٹے سے۔
"میں جب تجھ سے ملنے آیا، سب کہتے تھے من میں سوچ!
"میرا دل تھا اُن کو پتھّر، تیرے آگے بید کا لوچ؛
"انگ سے انگ لگا دے، پل میں بھولوں میں جھنجٹ سارا۔
"کام کی مدھ سے مست بنا دے، تُو جیتی اور میں ہارا۔"

۱۹-۸-۳۴

مدراس

بہانۂ بسیار

مانا کہ ہے شب تاریک
اور کالی گھٹا چھائی،
اور گاہے بگاہے اک تارا سا چمکتا ہے،
پردوں سے گھٹاؤں کے
وہ پردے جو ہیں باریک
اور جن میں ہے زیبائی!

مانا کہ ہے شب تاریک،
اور چاند نگاہوں سے
روپوش ہے، کھویا ہے،
ہے دل کی نظر دھندلی،
کیوں چھائی ہے بے نوری؟
ناپاک ارادوں کی اِس دل میں جگہ کیوں ہے؟
جو عاقل و دانا تھا اِن لمحوں میں مجنوں ہے!
دل ہے کہ یہ پہلو میں انگارہ دہکتا ہے؟

مانا کہ ہے شب تاریک
اور سرد ہواؤں میں
مستی سی ہے اک چھائی،
اور دھندلی فضاؤں میں
اک ایسی ہے رعنائی
جیسے کسی عورت کے مسلے ہوئے پیراہن!

ناپاک ارادوں کا کیوں آج ہے دل مسکن؟

مداوا

تنہائی ہے، تنہائی، اور تلخ اداسی ہے،
یہ چشم بھی پیاسا ہے اور روح بھی پیاسی ہے!

پھر کیسی یہ لغزش ہے؟ پھر کیوں میں جھجکتا ہوں؟
مانا کہ ہے شب تاریک،
خطرے بھی ہیں پوشیدہ،
پر میں ہوں جہاں دیدہ!
ہاں، کیسی یہ لغزش ہے؟ ہاں، کیوں میں لرزتا ہوں؟

افعال کو حرکت دوں سرگرم عمل ہو کر،
ناپاک ارادوں کو، میں مائلِ دل ہو کر،
شہرت سے ملا ڈالوں۔

ناپاک ارادے تو فطرت ہی نے لکھے ہیں!
دنیا کو سنا ڈالوں،
گہرائی میں جو دل کی کچھ سوئے سے نغمے ہیں!

---

۳ ے ۔ ۲ ۔ ۳۲

ناداں

احساس ناکامی

یہ پوجا میری تباہی کا سامان مہیا کر دے گی،
میری جھولی کو سوکھی کلیوں اور پھولوں سے بھر دے گی۔
یہ مجھ بے کس کو دریا کے اُس پار تو کب پہنچائیگی
البتہ میری کشتی کو موجوں کے حوالے کر دے گی۔
میں اپنے دل کے جذبے کو دل ہی میں لے سو جاؤنگا
یہ لمبی رات جُدائی کی آنکھوں کو نیند سے بھر دے گی۔
وہ ایک دعا جو مانگی تھی اِس دل نے تجھ سے ملنے کی
کب پُوری ہو کر لوٹیگی؟ کب آ کر مجھکو خبر دے گی!
یہ اندھی جوانی کے لمحے روتے روتے سو جائیں گے،
پھر میں اور میری قسمت دونوں سپنوں میں کھو جائیں گے۔

۱۸ — ۱۰ — ۳۴ —

دعوت نامہ

آؤ آج بتاؤں میں — دِل کی گہرائی کا راز -
آؤ آج سُناؤں میں — ایک اچھوتا نغمۂ ساز -

آؤ مندر میں آؤ
میرے اِس من مندر میں -
ننّھا موتی بن جاؤ
دل کے سُونے ساگر میں -

آؤ، ساگر میں دیکھو — لہروں کی ہر کروٹ میں
اپنا چہرہ - اپنا نام — سُن لو ہر اک آہٹ میں -

کب سے تنہا بیٹھا ہوں،
آؤ، اب آ بھی جاؤ -
تُم بن چُپکا چُپکا ہوں
آؤ دو باتیں کر لو -

آؤ چُپکے سے سُن لو — ہچکی کھاتے نغموں میں،
اپنا ننّھا، پیارا نام، — میرے دل کے گیتوں میں -

* * *

۱ - ۱۱ - ۳۴ -

[illegible]

خودنفسی

جوانی میں ساتھی ہے جو اضطراب،
نہیں کوئی اس کا علاج،
مگر ایک عورت۔

کھلے جب نہ مجھ پر وسیلوں کا باب،
ملے جب نہ چاہت کا تاج،
تو پھر کیا کروں میں؟

مگر کیوں سہارا رہے غیر کا؟
کر تسکیں کو جب ڈھونڈ لے،
میرا دل خودی میں۔

خیالوں میں تسکیں کو ڈھونڈا کیا،
تصوّر کے پیرہن جا ملے،
جنوں کی فضا سے۔

تخیّل میں خلوت کی دلچسپیاں
نہ اس دل کے کام آسکیں،
نہ اُن سے ہوا کچھ۔

وہ بے نام، بے رنگ سی گڑیاں،
خیالوں میں آئیں، گئیں،
نہ آیا سکوں ہی۔

(دوسری طرف)

۲

طرح

میں اب کھیل کھیلوں گا ایسا کوئی،
کہ دل میں سکوں آ بسے،
(گناہوں میں کیا ہے!)

میں دیکھوں گا اب اپنی قوّت سے ہی
وہ منظر جو ہیں رات کے،
وہ نشّوں کے جمگھٹ!

---

۱۰ - ۱۱ - ۳۴ -

بڑا

دو نقشے

۱- جوانی (عورت)

دیکھو دیکھو، کیا ہوا،
دل سے دل ملا ہوا ـــــ زور سے دھڑک اٹھا، شعلہ اک بھڑک اٹھا،
شعلہ بجھ نہ جائیگا؟
اور بجھ گیا، تو پھر خاک لطف آئیگا!
آہ! بجھ گیا تو پھر؟!

اب تو مان جائیے، اب نہ یوں ستائیے،
ہات جوڑتی ہوں میں، پاؤں چھوتی ہوں میں،
ہائے اب تو چھوڑ دو، بس ہنسی رہے نہیں! ـــــ دیکھو، دیکھنا! کہیں،
چوڑیاں نہ توڑ دو۔

۲- بڑھاپا (مرد)

اب تو اور بات ہے، اور بھی تو پیت ہے،
اور بھی تو گیت ہے، اور بھی تو رات ہے!

اور کیسے جانیئے؟
اور کیسے مانیئے؟

حوصلہ کہاں سے لائیں؟
ولولہ کہاں سے لائیں؟

۱-۱۲-۴۳-

گارا

چنچل

کبھی آپ ہنسے، کبھی نین ہنسیں، کبھی نین کے بیچ ہنسے کجرا "
کبھی سارا سُندر انگ ہنسے، کبھی انگ لگے ہنسدے گجرا -
یہ سندرتا ہے یا کوتا، میٹھی میٹھی مستی لائے،
اِس روپ کے ہنستے ساگر میں ڈگ مگ ڈولے من کا بجرا -

یہ موہن متوالی ہے، یہ مے خانے کی چنچل ہے،
یہ روپ لٹاتی ہے سب میں پر آدھے منہ پر آنچل ہے -
کیا ناز انوکھے اور نئے سیکھے اندر کی پریوں سے؟
یہ الڑ ڈھنگ سنہرا اور زہری سوجھے ساگر کی پریوں سے؟
پہلے سپنے میں آتی ہے، پازیبوں کی جھنکاروں میں
آوارہ کرکے چین میرا، چھپ جاتی ہے سیاروں میں -

نیرنگِ خیال

کسی کے بدن کو لجانے کی آشا
میرے دل کے جھولے میں سوئی ہوئی تھی۔
تڑپ کر اُٹھی ہے وہ، ہلنے لگا ہے
میرے دل کا جھولا، میرے دل کا جھولا۔
وہ جب تک خموشی میں کھوئی ہوئی تھی
نہ بے چین تھی وہ، نہ بے چین جھولا۔
کسی کے بدن کو لجانے کی آشا تڑپ کر اُٹھی، اُس نے آنکھوں کو کھولا،
مگر وہ بدن ہی نہیں پاس میرے، ہے بے چین دل، یعنی آشا کا جھولا۔

میرا دل محبت کا پیاسا ہے لیکن محبت ہے جس کی وہ ہے دور مجھ سے،
اگر پاس ہوتی تو بے اعتنائی ہم آہنگ فطرت سے اُس کی ہوئی ہے،
میرے دل کی آشا ہے نادان، بھولی، یہ کیوں اپنے بستر پہ جاگی ہوئی ہے؟
ہے بے چین آشا میرے دل کے اندر
مگر بند ہے آہ! دیوی کا مندر
نہیں کوئی دارو میرے دل کے دُکھ کا،
مجھے کیسے حاصل ہو آکاش سُکھ کا؟

چلوں میں، چلوں میں، کہیں تیرہ و تار رستوں پہ چل دوں،
(محبت کی توہین ہوگی) جو دل میں دبا ہے اُگل دوں۔
مگر ایسے تسکیں کو پائے گا دل بھی؟
تقاضا یہ ہے میرے دل کا کہ کلیوں میں نکہت چھپی ہے
اُسے راحتِ جاں بناؤں۔
مگر یہ نہیں بات بس کی؟

ملہار

میں پھولوں کے رس کی
انوکھی، اندھیری گلی میں چلوں گا۔
کسی کے بدن کو لجانے کی آشا تڑپ کر اٹھی تھی،
مگر ہاں، شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہوگا
کہ چہرے کو چھوتا ہے دیوی کا دامن،
کہ ہے وہ گناہوں کے مندر کی بے بس پجارن کا آنچل!
جو دیوی کے ننھے کنول تھے،
وہ ہوں گے یہاں گرچہ پتے کنول کے،
اور افسوس ننھی کلی بھی
شگفتہ ستارے سا پھول ہوگی،
اور اس پیرہن کی لطافت
یہاں بن گئی ہوگی خورشید کے انجان تیروں کا مسکن،
مگر ہاں، شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہوگا۔

اگر یوں چلوں میں
اندھیری گلی میں
تو دیوی کا دامن
ہمیشہ مری دسترس میں نہ آئے گا، لیکن
شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہوگا۔

-۳۵-۱-۲

ماڈرن

برکھا

سیمابی اور عنابی چیتے ہیں اندھیری راتوں کے
جیسے منتر ہوں جنگل کے جادوگر کی باتوں کے
یا ساون کی کالی گھٹاؤں کی تیکھی برساتوں کے
دل پر چھانے والے نغمے، بے ہوشی لانے والے۔

ایسی راتیں، چندا گھونگھٹ کاڑھے، چپکے سوئے ہیں
اور گنتی کے چند ستارے نیند میں کھوئے کھوئے ہیں
پیڑ اور پتے، ٹہنی ٹہنی تاریکی میں دھوئے ہیں
دل کو ڈرانے والے سائے، دل کو دہلانے والے۔

سائے، کالے کالے سائے رینگ رینگ کر چلتے ہیں،
اور ان کالے سایوں سے بھوتوں کے جھنڈ ابلتے ہیں،
دل میں اندھے، بے بس، بے پایاں جذبات مچلتے ہیں
گیت بنانے والے، نغمے چاہت کے گانے والے۔

۵-۱-۳۵

ملا

ایک گیت

آہ! اگر میں اب جا پہنچا کلکتے کی بستی میں
پھر دیکھوں گا پہلے جوشِ جنوں کو اپنی ہستی میں
اور پکار اُٹھوں گا سانولے رنگ روپ کی مستی میں

آہ ایسے ہیں، آہ ایسے ہیں دیوانہ کرنے والے۔

اور پھر جاؤں گا ہُگلی کے جوش میں اندھے کنارے پر
نا اُمیدی کی دیوی کے اک مبہم سے اشارے پر
یوں چلّا کے بہا دوں گا اپنی ہستی کو دھارے پر

آہ ایسے ہیں، آہ یہیں! بے باکانہ مرنے والے۔

۵-۱-۳۵

ماہرس

بے تکلف عریانی، بے حجاب جنسیت

بے تکلف عریانی، بے حجاب جنسیت،
زندگی کے ساتھی ہوں، زندگی بنے راحت!
پہلے جھوٹے اور نربل بندھن ٹوٹ ہی جائیں،
سچے اور نئے، بیباک لمحے جیون میں آئیں!
پہلے جو بہانے تھے بزدلی کی باتوں کے،
اب وہ سب فسانے ہوں بیتی بھولی راتوں کے!
بدلا وقت، دل بدلے، بدلی ساری دُنیا ہی،
ہاں، بدل ہی جائیں گے، جلد تو میں ہیں ہم بھی!
ماضی کے جذبے کیسے زینت ہوں مستقبل کی؟
دل میں اپنے جذبے ہیں، ہم ہیں رونق محفل کی!

۲۲ - ۶ - ۳۵

پہلی عورت

تُم نے مجھے قوّت دے دی ہے،
تم نے مجھے ہمّت دے دی ہے اس دُنیا میں جینے کی۔
اس لمحے سے پہلے میری زلیست سفیدی تھی، بے داغ۔
تُم ہو پہلا نشاں، تم زینت میرے دل کے نگینے کی۔
تم نے کم کی ہے، ہاں تم نے، خونیں اذیّت سینے کی۔
تم نے مجھے دے دی ہے طبیعت پریم کی مے کے پینے کی۔
اِس لمحے سے ہے آغاز
ہر لمحے میں نیا اِک راز جانوں گا۔

دنیا کالی کالی، اندھیری، میرے لئے تھی اک پاتال۔
اب دیکھونگا، اب دیکھونگا رنگ برنگا حُسن کا باغ۔
اب دوڑیں گے اِک وسعت میں بےبس اور کمزور خیال۔
اب ہوگی میری پرواز!
اور میں انوکھے وحشی ساز سن لوں گا۔

(دوسری طرف)

۲/

تُم نے دیا ہے جوشِ جنوں اور تُم نے دکھائی وہ بستی،
حاصلِ عُمر ہے جو دنیا میں، جس میں حاصل ہے مستی،
مستی، جس کے ہونے ہی سے ہستی ہے کاملِ ہستی!
تُم ہو، تُم ہو، ہاں ہاں تُم ہو، تُم ہو میرے رستے کا چراغ!

تُم نے دکھائے چاند ستارے، تُم نے دکھایا ہے آکاس،
تُم نے دکھائے منظر پیارے، تُم نے موہن، اشت لباس!
تُم نے مجھے دے دی ہے ترقی،
تُم نے صلاحیت دی مجھ کو اس دنیا میں جینے کی!
تُم نے مجھے ہمّت دے دی ہے پُرغم کی مے کے پینے کی!

۲۵-۱-۳۵-

نما لوت

لرزاں، رقصاں چیزوں کی — سیمابی فطرت کا ناچ — دیکھو گے؟
رات کے سُونے لمحوں کی — اک فانی راحت کا ناچ — دیکھو گے؟
لیکن سُن لو، جتنی ناگ — زہری ہے!
اور میٹھی باتوں کا راگ — تلخی ہے!
آخر کو پچھتاؤ گے —،
رو رو کر سو جاؤ گے!

مسّرت، منوہر، متوالا، — میٹھا، من کو بھاتا گیت — گاؤ گے؟
بے بس، ننّھی یادوں سے — ہر شئے جی سے بھلاتا گیت — گاؤ گے؟
لیکن سمجھو! ایسی بات — غلطی ہے!
سُندر، سُکھ سپنوں کی رات — دُکھ کی ہے!
خاک مزا اس میں پاؤ گے،
رو رو کر سو جاؤ گے!

درد، اذیت ساتھی ہیں — ایسے پیلے لمحوں میں — عورت کے، جو بیتم ہے!
ایسی راتیں لاتی ہیں — آنسو! ایسے گیتوں میں — راحت کا ظالم غم ہے!
دُکھ دے کر سُکھ پاؤ گے،
اور جی میں شرماؤ گے!

---

۲۵ - ۱ - ۳۵

۱۱۸

شجرِ ممنوعہ کی ترغیب

آرزو، احساس جب شدّت پہ ہوں
اک اشارہ چاہیئے،
تجھ سے ملنے کے لئے!
ایک لفظ!
"آؤ"——
"آؤ"
ایک لفظ!
جس کے جادو سے پری بن جائے تُو!

اِک اِشارے کی ضرورت ہے مرے دِل کو، مگر
آسماں پر ہیں ستارے بے حساب!
یہ —— مرے دل کا رباب ——
ایک لفظِ مختصر کا نغمۂ جادو اثر
چھیڑ سکتا ہی نہیں!
کون سا اِس آسماں سے میں ستارہ توڑ کر
تیرے کانوں کی اُسے زینت بناؤں!

بارہا موقعے ملے
آہ! لیکن بے بسی
مجھکو کچھ کرنے نہیں دیتی کبھی،
اپنے دل پر ہو نہیں سکتا مجھے کچھ اعتبار!
کیوں نہیں اک لفظ (بے معنی سہی)
تجھ سے میں کہتا کبھی!

آ ــــ من و تو کا تقاضا چھوڑ کر
ایک ہو جائیں، کہ پھر
تجھ سے کچھ کہنے کی اس دل کو ضرورت ہی نہ ہو!

اتّصال

ابتدائی گیت ہے اس اشتہا کا جس سے یہ دنیائے دوں،
آج باقی ہے! ــ بہ ایں حسنِ رواں!
بیشتر اس کے کہ ہم ظاہر کریں
تیرے اور میرے خیال
آ، ــ کہ ہو کر سرنگوں،
آج ــــ
ہم اس قدرتِ عاقل کو دیں اپنا خراج!

۲۷-۱-۳۵

مدراس

ایک گیت

کوئی نہ جانے، کوئی نہ جانے میرے دل کا حال،
جینا ہے جنجال مجھے، اب جینا ہے جنجال۔
سانولی، سندر، مست، منوہر، تیکھے ترچھے نین
چال رسیلی، دل گرماتی اور گھٹا سے بال۔
راگ رنگ کا جھولا جھولے سکھیا سب سنسار
میرے دل کو دکھ ہیں بھاری دور ہے دکھ کی ڈھال۔
میٹھے میٹھے، من کو بھاتے سب کی سیج کے گیت
لیکن میرا جیون راگ انوکھا، بے سر تال۔
دل کی بات نہ ہو گی پوری بندھن لاکھ ہزار،
کب چھوٹوں گا، کب ٹوٹیں گے یہ مایا کے جال؟

۲۷-۱-۳۵-

ایک کلی اور اس کے مالی

جب آئی سرمست جوانی — جیون تھا پُر کیف کہانی،
نیکی اور بدی کے جذبے — دونوں میرے دل میں جاگے،
دونوں جوشیلے، متوالے — ناداں دل کو لُبھانے والے،
لیکن بات ہے سب نے مانی — سُندر، میٹھی، پاپ کی بانی۔
ان دونوں ان مِٹ جذبوں نے — اُلجھن کے سو بندھن ڈالے،
بھول گوئی نیکی کی بستی (کئی) — دل پر چھائی پاپ کی مستی۔

جب اُجیالی راتیں آئیں — موہن، میٹھی باتیں آئیں،
چندا آئے، آئے تارے — آئے منظر پیارے پیارے،
جھکتے اور شرماتے لمحے، — آئے، مستی لاتے لمحے،
آئے دل پر چھاتے جذبے — اور مدہوش بناتے جذبے،
آہ! اچانک چمکی بجلی — میں سونے آنگن میں پہنچی،
سب نظروں سے بچتے بچاتے — چلتے چلتے، رُکتے جاتے،
پاؤں کے زیور کھول چکی تھی میں نے — ہاتھوں میں ہی تھامے ہوئے تھے،
پھر وہ آئے، بیتیم آگئے، — گاتے ہوئے، متبسّم آئے۔
اُن پنہاں لمحوں کی رحمت — اُن رقصاں (لرزاں) گیتوں کی راحت
چھائی، چھائی میرے دل پر، — میں پہنچی اپنی منزل پر۔
دو انمول اور بھولی روحیں — دو انجان، اچھوتی روحیں،
اک بلوان اور ایک سجیلی، — اک بیباک اور اک شرمیلی،
اُن مستی والے لمحوں میں، — ایک ہوئیں میٹھے گیتوں میں،

کام گھٹائیں ہر سو چھائیں
اک طوفان آیا جھنجلاتا
ان کو دل بے بس لمحوں کا
دو روحوں پر گھیرا ڈالا روحوں
طاقت جیسے بگولے کی ہو،
ہم تنکے تھے، ہم تھے ڈالی،
رس کی بھیگی مستی چھائی،
کام کا سندر مندر اپنا، کا
اک میٹھا احساس مرا تھا،
پیتم کی پیاری سرگوشی
آ مندوں کا جھرمٹ آیا،
سانسوں نے طوفان سے سیکھا
پریم کی مدھ نے ڈالے گھیرے،
میٹھا، سیتل گیت سنایا،
گالوں پر اک سرخی چھائی،
تلخ اور تیز انوکھا جذبہ
دل میرا لہرا کر بولا:

پریم کی وحشی موجیں آئیں
ہر شئے پل میں دور بہاتا۔
ساتھی، وقت یہ منہ سے بولا
یہ طوفان ہے اندھا، کالا!
زور میں آئے جھولے کی ہو!
پریم کلی اور اس کا مالی!
ہوش گیا، مدہوشی آئی۔
پریم کا گہرا ساگر اپنا،
اور پیتم کا پاس مرا تھا۔
آنکھ جھپکتے میں لے ڈوبی،
لاج کا بیری گھونگھٹ اترا۔
تند اور تیز انوکھا نغمہ۔
اس نے میرے بال بکھیرے۔
دل کو اپنے دل سے لگایا۔
اور ہونٹوں سے پیاس بجھائی،
اس کی آنکھوں سے ظاہر تھا۔
"تیرا میرا پریم ہے سچا"

نشست اور چپکی، کھوئی کھوئی،
ختم ہوا میٹھا افسانہ۔
اور آنکھوں کے پیغاموں کا۔
بار میری آنکھوں کو دکھایا۔

مستی آنکھوں میں آ سوئی۔
پریم کی متوالی حرکت کا،
پیتم نے میٹھے ناموں کا
اور مجھے سرمست بنایا۔

ناری

پھول انوکھے، میٹھے میٹھے،
دونوں کے ہونٹوں پر ناچے۔
اور چمکے آکاش پہ تارے،
چندا ہوگئے اور اجیالے!
پریتم اس نے پھسلاتے بولوں میں
دل کو گرماتے بولوں میں
میرے روپ کے نغمے گائے،
نغمے دل میں جوش کو لائے۔
زور انوکھا مستی کا تھا،
پیار کا دان وہیں دے ڈالا۔
خوشبوؤں کی پوری عمر ہوگئی
میرے کومل دل پر چھائی۔
رات کٹی ایسے سپنوں میں،
سکھ کے متوالے گیتوں میں۔

اور جب صبح کی دیوی آئی،
چونک کے اپنی سیج پہ جاگی،
کرنوں کا اک جال انوکھا
سورج کی گرمی سے چھایا۔
لیکن میرا پہلو سونا،
اور میں اکیلی، چپکی، تنہا۔
بیتے سال کئی تب جانی
نرناری کے پھیر کی بانی۔
میں نے لاکھوں داؤ کھیلے،
درد کے تیر بھی دل پر جھیلے،
لیکن لوگوں نے سمجھایا
اب ہے جگ میں سکھ صدیوں کا؟!
اب ہے کام مرا، کیا بولوں؟
~~بھید کو بھید کو بھید رکھوں~~
بھید کو بھید رکھوں، کیوں کھولوں؟

پھول بنیں جب کلیاں کھل کر،
بن جائیں بازار کے جوہر۔
کوئی نہ پرکھے اس جوہر کو
دیکھے، ٹھہرے، چل دے گھر کو۔
جیون ایسے دھیرے دھیرے
ہلکی چال سے چلتا جائے۔
ہم تنکے ہیں، ہم ہیں ڈالی
پریم کلی اور اس کے مالی!

۲۹-۱-۳۵

ماورا

تحریک

تمہاری تمنا کا ہے میرے دل میں بسیرا،
اسی آگ میں جل رہا ہوں۔
اگر آؤ
ریشموں کا اور لاج کا جھلملاتا سا گھونگٹ اٹھاؤ،
تو دیکھو گی، جانو گی پل میں
تمہارے لباسوں کے، زلفوں کے اور جسم کی خلوتوں کے ہی نشے میں
سرشار رہنا میرے دل کی گہرائی کا بھید ہو گا۔

تمہاری ان آنکھوں کا کاجل،
تمہاری نگاہوں کی مستی
یہی کہہ رہی ہے:
میرے بانکے پریمی! انوکھے کنھیا! رسیلے بہاری!
میری یہ تمنا ہے آغوش میں آ ہی جاؤں تمہاری۔
مگر کب تمہاری محبت کی رنگیں سواری،
میرے آنچلوں کے تمنا سے بے تاب در پر،
جھجک اور دوری کے رستے کو پیچھے ہٹا کر،
بتاؤ کہ ٹھہرے گی آکر؟

مگر میں جو یوں سن رہا ہوں،
تمہاری ان آنکھوں کے کاجل، تمہاری نگاہوں کی مستی کی باتیں،
اگر چپ رہا تو مقاصد کی منزل
مجھے کب ملے گی؟!

ہاں

اگر میں نے موقعے کے لمحوں میں جرأت کو دل سے بھلایا،
یونہی زندگی بھر مری روح سوکھی تمنا کے آتشکدے میں جلے گی۔

تو لو، اب ذرا تم بھی محتاط رہنا،
کہ آتا ہے دیوانہ جوشِ جنوں میں
محبت کے نغمے سناتا!
جھجک اور شرم و حیا کے جو ہیں ساز اُن سب کے تاروں کو جھنجلا کے پل میں
روپہلی، سنہری عجب بے خودی میں
یونہی ناچتا ناچتا، گاتا گاتا۔

بنوں گا تمہاری گھٹاؤں کا، زلفوں کا مہماں،
تمہارے خیالوں کی خلوت کے گہرے سکوں کو مٹا کر
میں اب جسم کے ایسے تاروں کو چھیڑوں گا، جن سے
فضا میں پریشان و آوارہ ہوں گے وہ نغمے
چھپے ہیں بہت دور جو دسترس سے۔

۱-۲-۳۵

خوابوں کا جھولا

پہلے پرانی رسمیں کرکے
گیت اٹھا میری شادی کا

تعبیروں کو بس میں کرکے
اور دنیا کی آبادی کا۔

پھر سیریں سونے جنگل کی،
سیدھے سادے بھولے بھالے
اور پھر پریم کتھا کی باتیں،
پریوں کی انمول کہانی،
نرم، اچھوتے تیرے جذبے،
لرزاں رقصاں ڈرتے نغمے
پریم کی اچھی اچھی باتیں
گیت رسیلے مدھ متوالے
جھلمل جھلمل کرتے، چمکتے،
دو ناداں روحوں کی نیکی
یکجائی بھی، اور یک رنگی،
موسیقی بھی، خوشبوئیں بھی،
اور کچھ لمحے تیری باتیں،
تیری باتیں زہرہ، سنبل!
رنگیں ساری باتیں کرکے،
سپنوں کی میٹھی تیاری،
کام کی باتیں، رات کی باتیں
لمبے، ڈھیلے ڈھالے دامن،

پریم کے متوالے منڈل کی۔
کھیل انوکھے نادانوں کے،
بادل اور برکھا کی باتیں۔
رنگ برنگی اور سہانی،
تند اور وحشی میرے جذبے!
گرتے اور ابھرتے نغمے!
تھرکتی، چھلکتی، میٹھی باتیں۔
اور مدہوش بنانے والے۔
اور دل کو گرمانے والے۔
اور جنسی لمحوں کی نیکی۔
دو ذہنوں کی ہم آہنگی۔
نرم، چمکتی سی سیجیں بھی۔
پھر کچھ لمحے میری باتیں۔
میری باتیں نغمہ، بلبل۔ (کوئل)
دل کو تازگیوں سے بھر کے،
اور ہلکے سپنوں کی سواری۔
ایک انوکھی بات کی باتیں۔
موہن سنگاروں کا جوبن۔

تیرا پریتم بن کر کہنا:-
(میرا، رخصتی میں پہناوا)

"دل کی گرمی کے، خلوت کے، اے ساتھی میری چاہت کے!
"دل کی اُبلتی سی خوشیوں میں، اچھی اچھی اُمّیدوں میں،
"میری روح کے نور، اُجالے! میرے انگ سے انگ لگالے!"

میرا پریتم بن کر کہنا:-
(تیرا تھرکتے، سُنتے رہنا!)

"تُو ہے میرے دل کی رانی، میرے ذہن کی پاک نشانی؛
"دُور ہوئے دُکھ درد، اندھیرا، کچھ بھی نہیں اب تیرا میرا۔
"تیرا جسم مری دولت ہے! میرا جسم تری دولت ہے!
"ایک ہوئے ہیں، نیک ہوئے ہیں، اب ہم دونوں ایک ہوئے ہیں۔
"لیے ڈھیلے ڈھالے دامن، دُور ہوئے جسموں کے بندھن!
"آؤ جگ کو جی سے بھلائیں، اور ایشور کی اُستت گائیں!"

٭

یہ کیا؟ یہ کیا! یہ سب سپنا!
بھولا! بھولا! میں ـــ دُکھ بپتا!

۷-۲-۳۵-

ماورا

اے چیتے!

نرم رَو! اے گرم خون والے!
شکار
تیرا، جنگل میں نہیں آیا ابھی!
انتظار،
ایک لمحے انتظار؛
آئے گا،
اُس کا حکمِ مرگ اُس کو لائے گا،
اور تیرا کام یوں بن جائے گا!
دیکھ سُونی جھاڑیوں میں سے سنبھل کر چل، کہیں
سُن کے چوکنّا نہ ہو جائے، ترا بے بس شکار!
(میں ہوں تیرا ہم گنہار!)

ناگنی!
سنہری
کیوں نہیں اب تک بِکی؟
بیچ کر بازار میں حُسن و محبت کی بہار،
تیری عمرِ مختصر کو ہے قرار!
انتظار،
ایک لمحے انتظار!
آئے گا،
جنس کا جذبہ اُسے یاں لائیگا،
اور تیرا کام یُوں بن جائیگا۔

دیکھنا !
موہنی زیبائشیں، دلکش سنگار،
تیرے جسمِ پُر خطر کے ساتھ ہوں،
ورنہ احمق دل شکستہ جائیگا،
بےخودی کا لطف اُسے خاک آئیگا؟
(میں ہوں تیرا غم گسار!)

اے اکیلے اور تنہائی کے دلدادہ!
تیری
عمر بےلذت کٹی!
آج تک
تُونے دیکھے ہی نہیں عیش و نشاط!
آئے گی،
آج تیری عمر میں بھی آئے گی سیجوں کی رات!
اور قسمت کا گلہ ہوگی تجھے بھولی سی بات!
دیکھ، چشمِ تر کو خواب آگیں نہ کر،
ورنہ لمحہ عیش کا کھو جائیگا،
اور تُو اِس قصرِ خلوت میں یونہی گھبرائے گا!
(میں ہوں تیرا غم گسار!)

—— ⁘ ——

-۳۵-۲-۷

جوانی کے گھاؤ

لال سی ندی، لال سی ندی،
ہلکی، بہتی، گرمی والی خاموشی سی؛
سویا سوتا جاگا پھوٹا،
رِستا رِستا گوشے نکلا،
بہتا بہتا وحشت بنتا،
اور تصوّر پر چھا جاتا!

روئی جیسے سوکھے کپڑے
چاند کے ایسے صاف چمکتے،
کس نے اِن کے بھید بتائے؟
سب نے دیکھی لیکن دل میں
رات کی ہر اک بات چھپائی!

میٹھی باتیں، نرم نگاہیں،
اور وفا کے گہرے بندھن،
اور جیون کی اٹل محتاجی،
سب نے جوانی کی تلخی بھی شیریں کر دی!

لیکن جنّت کا پھل کھا کر،
زخموں کی بیکار اذیّت
قدرت نے عورت کی قسمت میں کیوں لکھی؟

۲۵-۲-۳۵

ملار

چیستانے

کسی ہوئی تھی کمان،
چھوڑ دیا میں نے بان۔
پھوٹ گئی جب کلی
ٹوٹ گیا اُس کا مان۔
شرم لاج اُٹھ گئی
لیکے، دیکے انگ دان۔

تھم گئے ندی سے نین،
آیا پھر سے من میں چین
دل سے بوجھ اُتر گیا
کہہ کے، سُن کے میٹھے بین۔
تارے ماند ہو گئے
یونہی بیتی ساری رین

کالی گھٹا، کالے کیس
دیکھے، دیکھا نیا دیس۔
رس کی بھری اندھی پیت
کرکے بیٹھی اور بھیس۔
اس کی بُو جا میں نے کی
جو مجھے نوائے سیس۔

— ⁘ —

ماہرؔ

فلسفۂ وقت

اے ریاکارو!

اندازِ نظر کی اُلجھن کو تُم شرم و حیا کیوں کہتے ہو؟
حبشی چاہت کی برکت کو ملعون خدا کیوں کہتے ہو؟
فعلوں کے نشے میں بہتے ہو جب آشنائیں اُکساتی ہیں،
اور بن جاتے ہو تنگ نظر لفظوں کی جو بخشش آتی ہیں۔
حیوان ترقّی کرکے ہی انسان بنا ہے، سوچو تو!
یزدان تنزّل کی حالت میں انساں ہے، کیوں سمجھے ہو؟
ذہنی رفعت پر بھولے ہو، ذہنی رفعت اِک دھوکا ہے،
ہے جسم کی ہر اِک رگ میں خُوں، خُوں میں حرکت، یہ دھندا ہے!
اِک دامِ جہالت پھیلا ہے، کیوں اٹک گئے ہو؟ اب نکلو!
جب وقت کی حد پُوری ہوگی تب وقت نہ ہوگا، اب سمجھو!
تہذیب و تمدّن کے جھُوٹے رنگوں پہ نہ جاؤ، مت بھُولو،
نقصان بہانے میں لاکھوں پوشیدہ ہیں، اِتنا جانو!
دو رنگی چھوڑو دو رنگی، یک رنگ اصولوں پر چل کر؛
یہ دنیا جنّت بن جائیگی سچّی باتوں میں ڈھل کر!

۱ - م - ۴۵ -

تاثر

سینے کے مندر کی چوٹی پر ہیں کبوتر بیٹھے،
ہاتھ بڑھانے سے اُڑ جائیں، (اب ہیں چپکے چُپکے)
شرم و حیا سے، چنچل تا سے مندر جھکے، سمٹے،
دل مچلے اور نظریں پھسلیں، اُلجھے جائیں جذبے!

ننھا میداں، دو ٹیلے، ٹیلوں میں امرت وادی،
اور تمناؤں میں جلتے ہونٹ ہیں میرے پیاسے!
اندر سبھا کی پریاں بھولی، بھولے پورب باسی،
دیو نگر کا رُوپ مری آنکھوں میں جھلکیں مارے!
رس مرمر کو، اور کنول کو اک بھیگی مستی میں،
ہلکے ہلکے، اور تیزی سے، ہاتھ مرا سہلائے!

*

لیکن دُور ہی دُور سے کیسے ہوتی رہے یہ پوجا؟
لیکن کیسے تسکیں پائیں جذبے، دیکھے دیکھے؟

---

۲۹ - ۴ - ۳۵

مدھوری بانی

آؤ، اپنے بانی، وحشی تخیّل کی
دھندلے، اندھے لمحوں میں
سن لو کہانی راتوں کی۔
خلوت میں پھیلی تھی ہلکی ہلکی خوشبو صندل کی
بوجھل، رقصاں جھونکوں میں،
بہتی تھی — بہتی جاتی تھی ندی میٹھی باتوں کی!
شرم، جھجک تھے کھوئے ستارے وسعت کے
سازِ دل میں تار ہلے تھے رغبت کے،
خاموشی تھی، باتیں تھیں، پھر خاموشی تھی، پھر باتیں!
ننھے ننھے، میٹھے میٹھے لفظوں کی دل کو سہلاتی برساتیں!
شیریں رنگ تھا بستر کا!
آہ! اچانک سویا لمحہ اٹھا، بھڑکتا، جھنجھلاتا!
اونچی، تیکھی، دل میں چبھتی، پار ہوئی جاتی تانیں!
سازِ دل کے قابو سے باہر نکلی جاتی تانیں!
وقت مصوّر تھا — اک پل میں رنگ ہی بدلا منظر کا؛
جیسے سینہ چیرے لاوا اونچے، ضدی پربت کا،
(اس کے دل پر نقشہ چھائے حرکت کا)،
اور دامن کی وادی کا نقشہ بدلے،
میں نے دیکھا کلیاں پھول بنیں ویسے!

-۳۵-۵-۱۹

ڈرال

ایک شکاری ایک شکار

اپنی گپھا میں جب پہنچا، سورج کا زرّیں چیتا،
تاریکی نے دھرتی کی کالی گھٹا سی چولی سِی!
تب آکاش کے جنگل میں، اونچے، نیلے منڈل میں
آیا جھرمٹ تاروں کا، رت رالی سواروں کا،
کرنوں کے بھالے لے کر، بادل کے گھوڑے لے کر!
آیا چاند شکاری بھی، جگمگ جوت سواری کی!
دکھیا کوئل بول اٹھی: "کوکو— جاگو سب پنچھی!"
"آئے ظالم راتوں کے!" پھندے موہن باتوں کے
پریمی پیتم نے ڈالے— سوتے تھے سونے والے!
لیکن اس تنہائی میں، فطرت کی گہرائی میں
جاگا نغمہ وحشی سا، مست، منوہر پریمی کا!
پیتم بھولا پنچھی تھی! <u>سب دنیا کب دیکھی تھی!</u> [جگ کی ریت نہ]
جال انوکھا پریمی کا پھیلا، پل میں پھانس لیا!
رات گئی، بیتی، بھولی! پیتم جھولے میں جھولی!
چاند شکاری گھر پہنچا، لیکن پھندا کب ٹوٹا!

-۳۵-۶-۵

ماورا

اکیلی رات کی واردات

کیمیائی پیامبر آئے،
خون کی لہر لہر جاگ اٹھی!
جاگ اٹھا نفس کا ہر ایک خیال،
سوئی تھی زندگی، ہوئی بیدار!

آرزو تھی نہ اب سحر آئے،
تم ہو، میں ہوں، یونہی تمنا کی
شب کو تسکیں کریں شباب و جمال!
اور حاصل ہو زندگی کی بہار!

لیکن افسوس! عیش کی راتیں،
خواب کی ہیں، خیال کی باتیں!
تم نہ آئیں، نہ میں ہوا مسعود،
تم نہ آئیں کبھی مری معبود!
کس کا تھا یہ زیاں؟ مرا!— اور سود؟
وہ تو اک خواب تھا پریشاں سا!
وہ تھا بس ایک غزال حیراں سا!
رکتا رکتا سا اور خراماں سا!
تیرہ و تار جنگلوں کی فضا،
اور غم کی مہیب کالی گھٹا،
بس، یہی تھے مرے مقدر میں،
اور میں گم، خموش بستر میں!

۱۱ - ۶ - ۳۵ -

[illegible]

اُفتاد

اتنی سی تسلی کافی ہے جیون میں مجھے، کیسے سمجھوں؟
ہاں کیسے ذرا سی بات سے ہر لمحے اپنا دل بہلاؤں؟
یہ بات ذرا سی، تم نے مجھ کو ہنس کر دیکھا، شرما کر
آنچل سے اپنے منہ کو چھپایا، پہلو بدلا اٹھلا کر۔
میرے تو ارادے تھے اونچے، میں تم کو اپنا بناؤں گا،
ہر ایک رکاوٹ دور کرونگا، راہ میں بیٹھ نہ جاؤں گا۔
لیکن قسمت کی باتیں ہیں نا اُمیدی اب ساتھی ہے،
اور لمحہ بہ لمحہ کالی گھٹا سی دل پر چھائی جاتی ہے۔
وہ ہمت جو آغازِ سفر میں میرے دل کا ستارہ تھی،
اب آخر دم پر ہے، ڈوبا، کشتی ڈولی، کشتی ڈوبی۔
اب اس دنیا کے ساگر کی ہر موج نگل جائیگی مجھے،
اور گمنامی کی دیوی اپنی ساڑھی لپٹائیگی مجھے۔

۱۵-۶-۳۵

دُور کرو پیراہن کے بندھن کو...

دُور کرو پیراہن کے بندھن کو اپنے جسموں سے
دُوری حاصل کر لو بندی خانے کے اِن لمحوں سے
جن میں فطرت کو قیدی کر رکھا ہے تہذیبوں نے
جن میں کلیوں کو کھِلنے سے روکا ہے انسانوں نے۔
فطرت کا مذہب کیا ہے؟ آزادی ہی آزادی ہے،
اور اگر اِس مذہب کو مانے گا نہ دل — بربادی ہے۔
بربادی ہے دل کی آزاد آرزوؤں کے جھُرمٹ کی،
بربادی ہے جذبوں کے میٹھے رس والے پنگھٹ کی۔
حُسن چھُپا کر کیوں رکھتے ہو؟ حُسن نگاہوں میں لاؤ،
خالقِ فاخر ہے تخلیق کا، اُس کے پیرو بن جاؤ۔
دُور کرو پیراہن کے بندھن کو اپنے جسموں سے!
اِک وحشی رفتار کو حرکت میں لے آؤ جذبوں سے!
دُوری حاصل کر لو بندی خانے کے اِن لمحوں سے،
مرد ہو، عورت سے مل جاؤ، عورت ہو تو مردوں سے۔

۲۴-۱۰-۳۵

نمبر ۷

منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں

منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں،
ابتدا دور ہوئی غرور، بہلانے، شوخی!
دور ــــ سیّارے خراماں تھے فلک پر، دونوں
ایک منزل پہ پہنچنے کی تڑپ دل میں لئے۔

پھر پرانا وہی افسانہ، وہی سیب کی، انجیر کی بات!

لرزش قلب سے رفتار کی تیزی لپٹی،
تیز طوفان سے ملنے چلی خوں کی گردش،
جیسے کاجل سی گھٹا ساون کی
وحشیانہ سی امنگیں لائے!
جسم کے ساز کے سب تار کھنچے اور پھیلے،
نغمہ بیدار ہوا ہے....
نغمہ بیدار ہوا ہے....
نغمہ بیدار ہوا ہے....
پتلیاں پھیل گئیں، سانس تھی گہری گہری،
آہ! ــــ رقصاں ہوئی نکہت گُل کی!
اک تڑپ، ایک تھرکتی ہوئی نازک سی پتّی۔
ہلکی ہلکی سی صدا، چیخ کی دھیمی لہریں
شب کی خلوت کی فضا میں ہوئیں سرگرم خرام!

اور پھر آ ہی گئی نیند کی خاموش پری،
صبحدم جیسے ہوا گال سے چھو جائے کبھی،
ایک شاداب سکوں روح پہ چھایا، اس دم
دل میں بھرپور تھی احساس کی شیریں نرمی!

۳-۱۱-۴۵

نارس

مگر رازِ حقیقت مجھ پہ ظاہر ہی نہیں ہوتا،
مرا شکی تخیل اپنی پروازوں میں الجھا ہے!
مرا معبود کیوں محکوم ہے میرے خیالوں کا؟
(جسے معبود سمجھا ہوں، فقط میرا تصور ہے!)
وہ اک آزاد ہستی کیوں نظر آتا نہیں مجھکو؟

یہ جذبے دل میں رہ کر، کند ہو کر پھر ابھرتے ہیں،
یونہی میں ہوں، یہ میری زندگی، اور جنس کی الجھن،
مجھے معبود سے ملنا میسر ہی نہیں ہوتا!

مرا معبود عورت ہے!
میں جنسی کھیل کو کیوں اک تن آسانی سمجھتا ہوں؟
عبادت کے طریقے حرکتیں ہیں جوش میں لاتی،
گھٹا میں جس طرح بجلی چمکتی ہو،
کہ جیسے بحرِ طوفاں خیز کا جلوہ!

مری معبود اک عورت ہے، میرے ذہن کا نغمہ،
مجھے ملنا میسر ہی نہیں ہوتا،
میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں!

---

۱۲ - ۱۱ - ۳۵ -

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں،
ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں!

تخیل کا بڑا ساگر، تصور کے حسیں جھونکے
لئے آتے ہیں بارش میں تمنائیں عبادت کی،
مگر پوری نہیں ہوتی تمنا دل کی چاہت کی!

کسی عورت کا پیراہن، کسی خلوت کی خوشبوئیں،
کسی اک لفظ بے معنی کی میٹھی میٹھی سرگوشی،
یہی چیزیں مرے رنگیں خیالوں پر ہمیشہ چھائی رہتی ہیں -

عبادت کا طریقہ — حرکتیں ہیں، تشنہ و مبہم،
کبھی روحِ صنم بیدار خوابِ مرگِ مہمل سے نہیں ہوتی!

کسی اندر سبھا کی لاکھ پریاں آ کے بہلائیں،
لبھاتے ناچ ناچیں اور رسیلے راگ بھی گائیں،
مگر یہ مردہ دل عادی ہے بس رنگیں خیالوں کا!
گھٹا آتی نہیں، خوشیوں کی بارش لا نہیں سکتی؛
مری روحِ حزیں محکوم ہے اپنے تاثر کی!

ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں؟
میں جنسی کھیل کو کیوں اک تن آسانی سمجھتا ہوں؟

کبھی انساں کی عمرِ مختصر پر غور کرتا ہوں،
کبھی فانی تمناؤں کی جھیلوں میں یونہی کھویا سا رہتا ہوں!

مارچ

گھنا، گرم جادو کسی رات کا

گھنا، گرم جادو کسی رات کا
مرے دل کی رگ رگ پہ طاری ہُوا!
(ترے جسم کے پیرہن کی فضا)
تو رادھا بنی، میں بہاری ہُوا!

ترے جسم سے پیرہن ہٹ گیا

مگر رات کا خواب جب سو گیا،
تو آئیں نظر میں کئی گوپیاں!
ترے چاند کا نُور گم ہو گیا،
ستاروں کی ندّی تھی ہر سُو رواں!

گرفتار تھا حُسن کے جال میں،
تھرکتا تھا لذّت سے ہر ایک تار!
حیا مست و بیخود تھی، مدہوش تھی،
تھے بیباک دونوں، شکاری ـ شکار!

تصوّر ترا داستانِ کہن
بنا ـــ، کشش بھولی ہوئی بات کا!
بہا کر مرے دل کو، روپوش تھا
نیا، نرم جادو نئی رات کا!

———— ⁘ ————

۲۵ - ۶ - ۳۶

ساحر

رسیلے جرائم کی خوشبو

رسیلے جرائم کی خوشبو
مرے ذہن میں آ رہی ہے!
رسیلے جرائم کی خوشبو
مجھے حدِّ احساس سے دور لے جا رہی ہے!

جوانی کا خوں ہے
بہاریں ہے موسم زمیں پر!
پسند آج مجھکو جنوں ہے؛
نشّہ
نگاہوں میں ہے میری نشّوں کی الجھن
کہ چھایا ہے ترغیب کا پیرہن آج ہر اک حسیں پر؟
رسیلے جرائم کی خوشبو مجھے آج للچا رہی ہے!

قوانینِ اخلاق کے سارے بندھن شکستہ نظر آ رہے ہیں؛
حسین اور ممنوع جذبات میرے دل کو پھسلا رہے ہیں؛
یہ ملبوس ریشم کے اور ان کی لرزش،
یہ غازہ، یہ انجن؛
دلکشی
نسائی جسموں کی ہر اک موہنی آج کرتی ہے سازش!
مرے دل کو بہکا رہی ہے!

مرے ذہن میں آ رہی ہے
رسیلے جرائم کی خوشبو!

۱۰-۱-۳۶

رقصِ غزالیں

شبانہ محفلِ سرود و رقص میں ـــــ
گلوئے نرم و سیمگوں کی گفت و گو،
وہ چشمِ نیم وا کی مست لرزشیں،
وہ سُرخ ساغروں کے گرم زمزمے،
وہ قصرِ عافیت میں تُند ہم نفس کا داخلہ،
شکستِ برگِ گُل کی سرد داستاں،
وہ دزدِ بہجتِ حسیں!
وہ دُودِ نکہتِ رواں میں دُھندلی دُھندلی صورتوں کی شرمگیں خموشیاں!
وہ منظرِ فتادہ و کشادہ میں حبابِ بحر کا سماں!
جنوں کی چُپ، ملول سی روانگی،
جوان راحتوں کا ابر چھا گیا!
رُخِ حسیں پہ سلوٹیں لباسِ اشتیاق کی،
وہ کیفِ مختصر کی آہِ نہاں!

(دوسرا رُخ)

دلکشا

وہ رَدِّ عہدِ بزمِ عمل!
اُڑان طائرانِ ہم نشیں کی اب علاحدہ علاحدہ!
وہ دُودِ نکہتِ رواں ہُوا نہاں!
رخِ حسیں پہ چھائی تُند و تیز، سرد تلخیاں!
گلوئے نرم کی، وہ قصرِ عافیت سے تیرہ تر، خموشیاں!
وہ چشمِ نیم وا کی شوخ مستیاں رہی کہاں؟
شکستِ خواب کا سماں،
شبانہ محفلِ سرود و رقص میں! ——

۱۴-۲-۳۶

مسافروں کی تلاش

"اور اسے مسافروں کی تلاش رہتی ہے جو اس کی خواہشاتِ نفسانی اور ضروریاتِ جسمانی کو پورا کر سکیں" —— "ہمزاد"

(۱)

"بستی بستی پھر کر آئے، آؤ، بیٹھو، سستا لو،
چھاؤں گھنیری اور میں چیری، دم بھر دل کو بہلا لو۔
دُور دُور کی باتیں دیکھیں، چاندنی راتیں —— اُجیالی،
اور گھٹاؤں والی راتیں، کالی —— کاجل سی کالی۔
اُن راتوں کا حال سُنا لو، دُکھ سُکھ سارے کہہ ڈالو،
آؤ دم بھر بیٹھو، آؤ، سستا لو، دِل بہلا لو!"

(۲)

"بستی بستی پھرنے والا میں سیلانی، آوارہ،
یہ جگ ہے اک نیلا منڈل، میں اس میں اک سیّارہ؛
منزل کوئی نہیں ہے میری، تُو منزل ہے —— ہر کوئی،
میرے دل کے لاکھوں بکھرے موتی ہیں، میں ہر جائی!
تیرا میرا کام یہی ہے، دُکھ سکھ سارے کہہ ڈالیں،
اپنا اپنا جی بہلا لیں، اک منزل پر سستا لیں۔"

(دوسری طرف)

مالن

"تم ہو بھنورے پھرنے والے، میں پھلواری قائم ہوں،
دو لمحے جیون ہے تمہارا، لیکن میں تو دائم ہوں!
(۳) کیسے بہانے؟ آؤ، چھوڑو، بھولو سب سچا جھوٹا؛
دیکھو! اِس کا سو صدیوں سے سویا سوتا بھی پھوٹا!
دُور ہی دُور کھڑے رہنے سے کام نہیں چلتے جگ میں،
تنہا جذبوں میں بہنے سے کام نہیں چلتے جگ میں!"

"جنم جنم کی پیت کی باتیں کچے تاگے، ٹوٹ گئے،
دو دن ہیں اجیالی راتیں، سکھ جاگے دُکھ چھوٹ گئے!
(۴) مجھ سے پہلے آئے ہوں گے سو بھنورے، رس لوٹ گئے،
اب کیسا وہ روپ خزانہ، جو بھی آئے، بس لوٹ گئے!
پیمانے کی تلچھٹ بھی میری قسمت میں آئی،
مجھ کو بھی کیا پروا اس کی، میں سیلانی ہرجائی!"

سنجاری

دو رُوحیں کھیتوں میں تھیں، لیکن تھا اُن کا اک سایا،
مایا ہے، سب کچھ مایا ہے، جگ میں ہر شے ہے مایا!

۷ - ۲ - ۳۶ -

سنگِ آستاں

~~سکھا~~ سنا نغمہ محبت کا، مجھے محسوس کرنے دے
جوانی کو۔
ہے نغمہ جن میں خوابیدہ اُنہیں تاروں کی حرکت سے
میں لے آؤں گا ہستی کو مجسّم شکل کی صورت،
اُنہیں تاروں کو خوابوں سے جگانے دے مجھے، اے رات کے ساقی!
دِکھانے دے مجھے جلوہ ستاروں کے اُلجھنے کا،
اُسی منظر کو لے آؤں گا میں پھر سے نگاہوں میں
جو ہے باقی
جو آویزاں ہے اب تک وقت کی ~~چلمن کے اوجھل میں~~ دیوی کے آنچل میں۔

پکڑ کر ہاتھ میں پنچھی کو اس دھرتی کے جنگل میں
اسی خلوت کے محل میں
ترے دِل میں
جگا دوں گا میں اپنی گرم آہوں سے
اُسی نغمے کو جو سویا ہے تیرے جسم کے محبوب تاروں میں

مجھے معلوم ہیں باتیں،
وہ باتیں جو اچھوتی ہیں، پُرانی ہیں،
مگر نادان ہیں جذبے
ارادہ ہے کہ لیکر آئے ان جذبوں کو میں تاریک غاروں میں
بنوں گا ہم سفر تیرا۔

چل آ، رنگین کہانی کو
شروعِ عشق کی منزل سے لے بھاگیں
اُسے اِس رات کے پھیلے اندھیرے میں
وہاں پر مل کے پہنچا دیں تک
جہاں ہے گوہرِ مقصود پوشیدہ نگاہوں سے
سہانی گرم آہوں میں!

---

۱۵ - ۱ - ۰ء ـ

شکوہ

شب تیرہ میں اک خُفتہ جوانی کو کچل ڈالا،
شکاری! آہ، اے ظالم شکاری! تیری نادانی!

اچانک تیر مارا جذبۂ زہری سے آلودہ،
شگفتہ ہو کے، نکہت پھُول کی بکھری فضا میں، — ایک بے چینی!
پریشاں ہو گی اب دنیا میں یہ سفّاک رُسوائی،
ہر اک بوسیدہ پتّی، کھو کے حسنِ نرم و نازک کو،
بنی ہے ہم سفر اک رنگِ نو کے تُند جلوے کی!

مگر تُو نے، شکاری! آہ، اے ظالم شکاری! یہ بتا مجھ کو،
شب تیرہ میں کیوں خُفتہ جوانی کو کچل ڈالا؟
کہ اب باقی نہیں پہلی سی وہ بے باک رعنائی،
بجائے سادگی اب اک تکلف ہے،
جھجک ہے، عشوۂ ہشیار ہے، — احساس ہے جس کا
گُلِ بوسیدہ کی زخمی جوانی کو!

بدل ڈالا ہے تُو نے رنگ فطرت کی اداؤں کا،
مچل کر جاگ اٹھی ہے، درسِ وحشت دے گی دنیا کو،
بنی ہے ہم عناں اک رنگِ نو کے تُند جلوے کی!

گُلِ بوسیدہ کی زخمی جوانی ہر شکاری کو،
مچل کر درسِ وحشت دے گی، نادانی سکھائے گی!
شکاری! آہ، اے ظالم شکاری! تیری نادانی! —
شب تیرہ میں کیوں خُفتہ جوانی کو کچل ڈالا؟

—— ⁂ ——

۳۵ اور ۳۶ کے درمیان

بلندیاں

دیکھ انسانوں کی قوت کا ظہور
اک سکونِ آہنیں ہمدم ہے میرا، اور میں
روزنِ دیوار سے
دیکھتا ہوں کوچہ و بازار میں،
آ رہے ہیں، جا رہے ہیں لوگ ہر سو گرم رَو؛
اور آہن کی سواری کے نمائندے بھی ہیں
تیز آنکھوں، نرم قدموں کو لئے،
محو گہرے نشۂ رفتار میں!

اور یہ اونچا مکان
جس پہ استادہ ہوں میں
جذبۂ تعمیر کا اظہار ہے!
سرخ رو، دل میں اولوالعزمی لئے،
رات سی تاریکیاں ہر شے پہ ہیں چھائی ہوئی،
لیکن ان تاریکیوں میں ہیں درخشاں چشمہائے دیوِ تہذیبِ جدید،

اک سکونِ آہنیں ہمدم ہے میرا، اور میں
سوچتا ہوں عرصۂ انجم کے باشندے تمام
دل میں کہتے ہوں گے ——— "ہیچ!" ٥

بالاخانہ

سو رہی ہے بیسوا،
سلوٹیں بستر پہ ہیں؛
پیرہن میں بے شمار
سلوٹیں سمٹی ہوئی، سوئی ہوئی،
بوئے بوسیدہ کا مبہم امتزاج
جس کا دھندلا سا تصور بھی ہے اتنا ناگوار
سر جھٹک کر اس سے ملتا ہے گریز۔

اک طرف بکھرے ہوئے ہیں فرش پر
چند ساز۔
اور کمرے کی فضا
جس میں آسودہ ہیں، پنہاں ہیں صدائیں مختلف،
اک سکوتِ آہنیں کا سنگدل اظہار ہے۔

دُور نیلا آسماں
چاند اور تارے لئے
اور ٹکڑے ابر کے،
اک دریچے سے نظر آتا ہے غم گیں، پُر فغاں۔

رونق آرا نیند میں بے ہوش ہے
اُس کے نفسِ لاشعوری میں اُلجھتے ہیں خیال:

"آئیے گا بندہ پرور! سیٹھ جی!

"آپ کل آئے ہیں؟

"چند زیور اور لباس،

"اب مجھے آرام کرنا چاہئے۔

"آئیے گا بندہ پرور! سیٹھ جی!

"اور نگاہیں اور حنا،

"اور ہستی کی پریشانی کے رنگ

"آئیے گا بندہ پرور! سیٹھ جی!

"ظاہری باتیں تمام۔

"اب جوانی کی بہار، اب — لیجئے، گانے کو ہاں، ٹلنے کو ہے،

"چند زیور، اور لباس، اور... کیا کہا؟ — اک وقت تھا، ہاں وقت تھا

"آہ! — لیکن اب مجھے آرام کرنا چاہئے،

"زندگی اور بے بسی،

"آئیے گا بندہ پرور! سیٹھ جی!"

دور نیلا آسماں
چاند اور تارے لئے،
اس کا دھندلا سا تصور بھی ہے مجکو ناگوار۔

۵-۲-۳۶ -

تحلیل کے بعد

نغمۂ نفس کے تسلسل نے
ٹوٹ کر، ذہن کو کیا بیدار؛
اندرونی ملامتیں جاگیں،
جاگ اٹھا محشرِ ضمیر میرا۔
لذت و کیفِ خوابِ رفتہ کے
بن گئے ہم صفیرِ راہِ عدم۔

آہ! جذبات کی ضعیفی نے
رنگ برہم کیا شرابوں کا۔
اڑ گیا، اڑ گیا وہ رنگِ لطیف؛
ہمدمِ لطفِ آتشیں میری
ناگوارِ نظر ہوئی مجھکو۔

خواب آلود، خشک آنکھوں میں
منظر اک آہنیں خیال بنا:

"ہاں، یہی ہے، یہی کہ جس نے مجھے
دامِ ترغیب کا اسیر کیا۔"

یوں ہوئی جب مری خودی مجروح
ایک ردِ عمل نے جذبے کے
بے مزہ کر دیا محبت کو؛
اور پھر مضمحل گھٹا چھائی
انکشافِ خودی ہوا روپوش۔
اس طرح خلوتِ شبانہ کا
اختتام
ایک بوسۂ مبہم
بن کے رہ جائیگا، نہ تھا معلوم۔

۱۹ - ۱۱ - ۳۶

△

اجنبی، انجان عورت رات کی

میں دھندلی نیند میں لیٹا تھا، سو پر دوں سے وہ جاگ اٹھی،
ہلکے ہلکے بہتی آئی اور چھائی میٹھی خوشبو سی!
باریک دوپٹہ سر پہ لئے اور آنچل کو قابو میں کئے،
چنچل نینوں کو اوٹ دئے شرمیلا گھونگھٹ تھامے تھی!

نردوش بدن اک چندر کرن، اٹھتا جوبن بس من موہن
میں کون ہوں، کیا ہوں، کیا جانے، من بس بس گیا اور بھول گئی!
جب آنکھ کھلی اور ہوش آیا، تب سوچ لگی، الجھن سی ہوئی
پھر گونج سی کانوں میں آئی، وہ سندر تھی سپنوں کی پری!

مکرر

حادثہ

اک فرشتہ پھول برساتا ہُوا،
صحنِ گلشن میں ہوئی اُس کی نمود!
لااُبالی لمحۂ جوشِ شباب!
اِس حقیقت کو سمجھی تُو جان سکتی ہی نہ تھی،
اُس فرشتے کے حسیں ملبوس میں شیطان تھا۔

ایک لمحے کے لئے، بس ایک لمحے کے لئے،
تیرے دل پر چھا گئی اک وحشیانہ بے خودی!

اور پھر دل سے مرے رخصت ہُوا جوشِ جنوں،
خشک پتّوں پر تھا اُفتادہ ترا
نرم و نازک، سرد جسمِ سیمگوں!

———— ⁘ ————

۳۷ ـــ ـــ ـــ

مکرر

محبت کا گیت

اُبلتی آگ کے شعلے خراماں ہیں،
فضائے لامکانی میں!
مگر انسان اُن کو دیکھ سکتے ہیں
اسی دنیائے فانی میں!

ترے دل میں کئی مبہم ارادے ہیں،
اور اُن پر احتیاط و رسم کے سنگیں لبادے ہیں!
مگر میں اپنے جذبِ دل کی قوّت سے،
اک احساسِ حسیں کی نرم راحت سے،
اُنہیں معدوم کر دوں گا!
میں اُن کو آرزوؤں کے گلستاں میں
بہارِ نَو سے بھر دوں گا!
جنونِ عشق ساماں میں
تجھے لے جاؤں گا اس کائناتی دَور سے باہر،
وہیں پائے گا تسکینِ ابد میرا دلِ مضطر!

یہ حد بندی پسند آتی نہیں مجھکو
گرفتاری ذرا بھاتی نہیں مجھکو
میں تجھکو وسعتِ بیباک کا نغمہ سناؤں گا،
تجھے اک لاحدی منظر دکھاؤں گا،
جو بے حد مختلف ہے دہرِ فانی سے
جو بے ہلچل پُرسکوں ہے وقت کی اَن مِٹ روانی سے،
کہیں دلکش ہے ہستی کی کہانی سے،

ماہر رہا

کہیں شیریں ہے خونِ نوجوانی سے،

میں اُن انمول لمحوں کو
ترے قدموں کی محرابِ حسیں پر لا کے رکھ دوں گا!
میں اُن مدہوش نغموں کو
مسلسل خواب سے بیدار کر دوں گا!

---

۱۵ - ۲ - ۳۷ -

اعتذار

پھر سے اُمّید کی بجلی چمکی!
سر پہ گھنگھور گھٹا چھائی تھی
لیکن اُمّید کی بجلی چمکی!

ڈگمگانے کو قدم تھے میرے
بند ہونے کو تھا ترغیب کا جال،
لیکن اُمّید کی بجلی چمکی!

نفس کی لذّتِ آسودہ بھڑک اُٹھی تھی،
ایک پل میں مجھے لہروں میں بہا لے جاتی،
وہ ہوا، آہ! جو تھی عیش کی خوشبوؤں سے بوجھل یکسر!
لیکن اُمّید کی بجلی چمکی!
دل میں جاگ اُٹھا خیال:
"اور اگر اب بھی وہ مل جائے تجھے؟"
میرا افسردہ لہو کھول اُٹھا،
دل پہ طاری تھا جو دھندلا منظر،
گونج اِک رہ گئی اُس کی باقی!
نفس کی لذّتِ خوں گشتہ کا نغمہ سویا!
اور اُمید کی بجلی چمکی!

۴-۳-۳۹

ترقی پسند ادب

اِس کو ہاتھ لگایا ہوگا ہاتھ لگانے والے نے
پھول ہے رادھا، بھنورا، بھنورا، بھنورے نے، ہاں کالے نے
جمنا تٹ پر ناؤ چلائی ناؤ چلانے والے نے
دھوکا کھایا، دھوکا کھایا، دھوکا کھانے والے نے
سکھیاں کب تھیں لاکھ بچاتیں، کچھ نہ سنی متوالے نے
کام نہ آیا، بات نہ رکھی اپنے دل کے اُجالے نے

دل کا اُجالا بنسی والا میٹھی جس کی بانی ہے
بنسی دھن کی بات نہ کہنا یہ تو پرانی کہانی ہے
اب تو ساری دنیا بدلی ہر صورت انجانی ہے
دل میں سب کے چھایا اندھیرا ظاہر ہی نورانی ہے
یہ بھی رُت ہے مٹ جائیگی ہر رُت آنی جانی ہے
اتنی بات کہ دل بے چین رہے جگ میں لافانی ہے

دل بے چین ہوا رادھا کا کون اُسے بہلائے گا
جمنا تٹ کی بات تھی ہونی اب تو دیکھا جائے گا
چیکی سبھی کی رنگ وہ رادھے جو بھی سر پر آئے گا
اودھو شام پہیلی رہتی دنیا کو سمجھائے گا
برہم کتھا کا جادو سننے والوں کے دل پر چھائیگا
یہ تو بتاؤ کون سورما اب کے ہاتھ لگائیگا

مکرر

طائر شب

وقت بتاؤں؟ — رات کا پنچھی کھول رہا تھا اپنے پروں کو، ہونے کو تھا دور اندھیرا،
اور منظر بھی؟ — سیج پہ پریمی اور پریتم کی چھایا سب سے اچھی رات کا حسن موہن انمول سویرا۔

نیند عبادت سے اچھی ہے، تم اچھی ان دونوں سے،
آؤ سوئیں، جگ کو بھولیں، ساغر کی تلچھٹ چکھیں،
پریت کی مستی میں کھو جائیں، اور خیالوں میں ڈوبیں۔
چند سہانے لمحے میری عمر میں اور بڑھا دو تم،
آنے والی صبح کا منظر میرے دل سے بھلا دو تم۔
تم چادر کی سفیدی پر ہو ایک نشان ملاحت کا۔
بستر کی ہر اک سلوٹ میرے دل میں لاتی ہے
عنبر پہ جوش بہجت کا۔
میرے دل کو دور کہیں لے جاتی ہے۔
ہر شاعر کہتا آیا ہے مایا نے ہمیں بہکایا ہے
چاہت ہے [redacted] ملنا روحوں کا۔
چاہت ہے کھلنا کلیوں کا۔
دو گیتوں کا گھل مل جانا،
آکاش کا سندیسہ آنا۔
آج مگر اس رات کے پیارے لمحوں میں اس بھید کو میں نے پایا ہے،
ہر شاعر نے لفظوں کا جال بچھایا ہے،
چاہت ہے تشنہ لبی، ہاں ہاں، چاہت ہے ملاپ جسموں کا۔
مسجد مندر والے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں،
اپنے جیون کی ناؤ کو طوفانوں میں کھیتے ہیں،

(ادرسم کی طرف)

مجھکو نہیں پروا کوئی مذہب کے اصول سنگیں کی،
مجھکو ضرورت ہے بس اپنے کیفِ لطیف و شیریں کی۔

نیند عبادت سے اچھی ہے، آؤ سوئیں، تم اچھی اِن دونوں سے۔

نہر پر

یہ پانی بہتا جاتا ہے،
اک نغمہ کہتا جاتا ہے،
پانی کی نغمہ خوانی میں
اور ہلکی ہلکی روانی میں
خاموشی ہے! خاموشی ہے!
خاموشی میں سرگوشی ہے!
اِک عریاں جذبہ پنہاں ہے!

اور سامنے صاف کنارے پر
پیڑوں کی لچکتی شاخوں سے
بوسے دیتی، آزادانہ،
چھوتی ہے ہوا بے باکانہ!
ان نرم، لچکتی شاخوں میں
بے باک ہوا کے بوسوں میں
اِک عریاں جذبہ پنہاں ہے!

بہتے پانی کی روانی سے
کچھ نرم حباب اٹھتے ہیں (ابلتے)
اور اک پل میں مٹ جاتے ہیں! (کھو)
بیباک ہوا کے چھونے سے
شاخوں کے پتے لچکتے ہیں،
اور پھر ساکن ہو جاتے ہیں!

ہاں، یہ سب سادہ سے منظر،
یہ میری نگاہوں میں آ کر
یہ کیسی یاد دلاتے ہیں؟
کس رنگ کے راگ سناتے ہیں؟

میں یوں تنہا بیٹھے بیٹھے
کچھ سوچ میں ہی ڈوبے ڈوبے
افکار کو تیز بناتا ہوں
قدرت سے پوچھتا جاتا ہوں
اور دل میں سوچتا جاتا ہوں دھڑکن [illegible]؟

گیت

جنسی عکس خیالوں کا

جنسی عکس خیالوں کا — چاند رات میں ڈالوں گا
اُن آنکھوں کی جھیلوں میں!

جنسی خلوت جسموں کی — مرد عورت کی قسموں کی
دیکھوں گا، دِکھلاؤں گا!

جذبہ دِل میں پوشیدہ — رکھوں کب تک؟ بوسیدہ
ہو جائیگا یوں جذبہ!

توڑوں بندھن رسموں کا — چھوڑوں جیون رسموں کا
جیون ہو آزادی کا!

اعضا پر نظروں کے تیر — چھیڑیں نغموں کی زنجیر
پیدا ہو میٹھی جھنکار!

ہاں، یوں موتی ساگر میں — گہرے، دھندلے مندر میں
نیندوں میں کھو جائیگا!

آزادی قدرت کا کام، — آزادی چاہت کا نام
آزادی سے لپٹوں گا!

تشبیہیں

جتنے لمبے تیرے بال
اُتنے لمبے میرے بال
پھر کیوں ہے یہ آپس کی
ہر دم بڑھتی ناچاقی؟

جیسے تیرے سینے پے
ریشم کے دو گچھے ہیں،   ریشموں
ویسے گچھے میرے بھی
دو ہیں، دو ہیں، ہاں دو ہیں!

جیسی نرم گلابی سی
ہے تیری مرغابی سی،
ویسا میرا طوطا ہے
جو آدم کا بوتا ہے!

ایک عورت اور ایک تجربہ

تیکھے نقش، غزالیں آنکھیں، گہرے، للچاتے سے گال۔
ہونٹ کہ پتلی پتلی پھانکیں رس والے میٹھے پھل کی۔
اُن پھانکوں کا ہر اک ذرّہ میٹھا جیسے ہو شہتوت۔
نرم، کبوتر جیسا سینہ، صاف، کنول سی کومل کھال۔
بھاؤ انوکھے سب دنیا سے بات نرالی چنچل سی۔
جسم گداز اور صحت والا، نرم، ملائم اور مضبوط۔
چال، لچکتی بید کی ٹہنی، بہتی بہاتی موجوں سی،
نازک، ہر ابھرے ریشے کی حرکت شاہی فوجوں سی۔
باتیں کرتے، ہنستے ہنساتے، شُست، نشیلا سا انداز،
جادو کرتے، سب کو لبھاتے، عورت کے انجانے راز۔

آہ! اُبھارے اور اُکسائے دل کے سوئے جذبوں کو
سرد خیالوں کو گرمائے اور بھڑکائے شعلوں کو۔
جیسے فضا میں ہوائیں رقصاں ویسی ذہن کی حالت ہو،
لیکن جب لوٹ آئے سکوں پھر دل کو گہری ندامت ہو۔
"کیا، کیسے، کیوں؟" سب بہہ جائیں شدّت اور روانی میں۔
اک لمحے کی کمزوری سے عمر کٹے نادانی میں۔